تاریخِ اسلام

عہدِ رسالت

خلافتِ راشدہ

تالیف

شاہ معین الدین احمد ندوی

تاریخِ اسلام
حصّہ اوّل
تالیف
شاہ معین الدین احمد ندوی
مکتبہ اسلامیہ
www.KitaboSunnat.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

الحمدللہ کہ سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر افزائی کی۔ جن یونیورسٹیوں کے نصاب میں تاریخ اسلام ہے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ کو نصاب میں داخل کر لیا' اور جن میں انگریزی کی کوئی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس کے طلبہ بھی سہولت کے خیال سے اسی سلسلہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے چند سال کے اندر اس کے کئی حصے ختم ہو گئے' پہلا حصہ چند مہینے ہوئے دوبارہ شائع ہو چکا ہے' زیر نظر حصہ دوم کا دوسرا ایڈیشن بھی بالکل تیار ہے' تیسرے حصہ کی کتابت ہو رہی ہے اور امید ہے کہ ۱۹۴۹ء کے وسط تک شائع ہو جائے گا۔ ان کے پہلے ایڈیشنوں میں جو خامیاں اور فروگزاشتیں رہ گئی تھیں طبع دوم میں ان کی اصلاح' ضروری ترمیمیں اور نئے اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ اس حصہ میں عہد جاہلی سے لے کر اموی حکومت کے خاتمہ تک کی علمی حالت پر تبصرہ نیا اضافہ ہے۔ اس سے اسلام کی ابتدائی سوا صدی کی علمی و تعلیمی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے' اس لیے اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع و مکمل ہو گیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۳ صفر ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء

دار المصنفین' اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

حصہ اول

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو بیانات ہیں' ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں' چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان' اور دوسری قوموں کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا تھا۔ دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے ''عربہ'' سے' جس کے معنی دشت وصحرا کے ہیں' چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا پر مشتمل تھا' اس لیے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

جغرافیائی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے' مغرب میں بحیرۂ قلزم' آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے' مشرق میں بحر ہند' خلیج فارس اور بحر عمان' جنوب میں بحر ہند' شمال کی حدود بہت مختلف ہیں' بعض جغرافیہ دان شام تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔ عرب کی اب تک باقاعدہ پیمائش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چار گنا ہے اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے' ملک کا بڑا حصہ ریگستان وصحرا پر مشتمل ہے' ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے' عراق' یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہیں' محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم خشک ہے۔

قدیم تاریخ

عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہیں' مؤرخین نے انہیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے۔ عرب بائدہ' عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا' عاد وثمود کی قومیں اسی طبقہ سے تھیں' اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا' عرب عاربہ کی (جو قحطانی کہلاتے ہیں) تاریخ موجود ہے۔ یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے' یہی لوگ عرب کے اصل باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے' عرب میں ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تھیں۔ ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈرات اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں' جو ان کے دنیاوی جاہ وجلال کے شاہد ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے' یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ظاہر ہوا' ظہور اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب میں تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے۔

بعثت ابراہیم علیہ السلام

عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سارے عالم میں گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی' روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص اللہ واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی' انسانوں کو معبودی کا دعویٰ تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن بابل میں نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی معبودی منواتا تھا۔ اس تیرہ وتار دور میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور ہدایت دے کر بھیجا' مگر اس عام تاریکی میں کوئی نگاہ اس نور کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت ہوئی' نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوایا' اعزہ خاص نے مخالفت کی' باپ دشمن بن گیا۔ اس لئے آپ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے۔ رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا' لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ بیاہ دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پہلی بیوی تھیں' اس لیے وہ ہاجرہ اور ان کی اولاد کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں اور ماں بیٹے دونوں ان کی نگاہ میں کھٹکتے تھے' چنانچہ ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام بچہ ہی تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ دونوں کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں' اس لیے آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے جا کر عرب میں آباد کیا۔

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا میں گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی اللہ کا پیغام سننے والا نہ تھا' اس لیے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ریگستان عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا' انتخاب کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مستقر مکہ میں اللہ واحد کی پرستش کے لیے بے چھت کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسل اسماعیل علیہ السلام کی برومندی کے لیے اللہ سے دعا کی' روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص اللہ واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔ کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (یعنی مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آ کر آباد ہونے لگے اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالی مکہ میں آ کر آباد ہوا۔

آل اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضماض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی' اس سے بارہ اولادیں ہوئیں' ان میں سے نابت وقیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہوگئی تھی اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا' چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا' اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسماعیل علیہ السلام میں اتنی کثرت ہوگئی کہ حصول معیشت کے لیے انہیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا' ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام نے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے' کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مترادف تھی' آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انہوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔ خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے' حجاج کو ستاتے' طرح طرح کے مظالم کرتے' جب ان کی یہ بدعنوانیاں حد سے سوا ہوگئیں تو آل اسماعیل علیہ السلام نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی [1] اور یہ منصب نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا' یہ بڑا

[1] سیرت ابن ہشام جلد اول ۶۴' ۶۵۔

تاریخی شخص ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا سلسلہ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا' اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی' ربیعہ' مضر اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنھوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت وشان حاصل کی۔ حجاز' نجد' عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں' ان کا خاص پیشہ تجارت تھا۔

خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام

آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے' ظہور ہوا' اس کا لقب قریش تھا' اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے' قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اس کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا' قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے۔ قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا۔ ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لیے قصی کا بچپن بنی عذرہ میں گزرا۔ جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا' غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارہ نہ کیا' اس لیے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا' ناصیہ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی' ان کا کوئی نظام نہ تھا' وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے۔ حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہو گئے تھے اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی۔ قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند عاقل وفرزانہ اور امارت پسند تھا' اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارہ نہ ہوا' چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا' اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی' اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا۔ [1] قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی، اس کے کئی شعبے تھے' جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے' بڑے شعبے تین تھے' فوجی' عدالتی اور مذہبی' اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔

فوجی شعبہ

① عقاب' یعنی قومی نشان کی علمبرداری۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھو طبری ص ۱۰۹۷ و سیرت ابن ہشام ج اول' ص ۶۹۔

② قبہ' فوجی کیمپ کا انتظام۔

③ آعنہ' سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری۔

④ سفارہ، دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ۔

عدالتی شعبہ

① ندوہ اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام۔ ② مشورہ' امور مہمہ میں صلاح و مشورت۔

③ مشنق جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت۔ ④ حکومت مقدمات کا فیصلہ۔

مذہبی شعبہ

(۱) سقایہ' حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام۔ (۲) عمارہ' خانہ کعبہ کا انتظام۔ (۳) رفادہ' حاجیوں کی مالی اعانت۔ (۴) سدانہ' خانہ کعبہ کی کلید برداری۔ (۵) ایسار' بتوں سے استخارہ کی خدمت (۶) اموال المحجر ہ' بتوں کے چڑھاوے کا انتظام' یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم تھی۔ عقاب بنی امیہ' قبہ اور آعنہ بنی مخزوم' سفارت بنی عدی' ندوہ بنی عبدالدار' مشورہ بنی اسد' اشناق بنی تیم' حکومت بنی سہم' سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم' رفادہ بنی نوفل' سدانہ بنی عبدالدار' ایسار بنی جمح اور اموال المحجر ہ بنی سہم۔ ❶ خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا۔ حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے۔ قصی سے پہلے ان کی آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ ''حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے'' ❷ اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا' مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے' قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔ ❸ قصی کی چھ اولادیں تھیں۔ عبددار' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد' تخمر اور مرہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبددار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کر لی۔ عبدمناف کے چھ لڑکے تھے۔ ان میں ہاشم رسول اللہ ﷺ کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے۔ بنی عبددار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبددار سے لے لیے۔

---

❶ عقد الفرید ج۔۲' ص۔۳۱ میں ان مناصب کی تفصیل ہے۔

❷ طبری' ص ۱۹۶۔ ❸ طبری' ص ۱۹۶۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی‘ اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی‘ ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ واحد کی پرستش کے لیے مکہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا‘ لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خاص اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے‘ بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں۔ ان کا وقتی اثر بھی ہوا‘ لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصے میں کوئی حقیقی اللہ شناس قوم باقی نہ رہ گئی۔ جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی تو اس پر جہل کے اتنے توبرتو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔ ایران‘ روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی۔ ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی۔ زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی۔ ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حکومت البتہ ان میں تھی‘ لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا۔ رعایا ان کی پرستش کرتی تھی‘ ملک کے لیے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا۔ ظلم و جور کی حکومت تھی‘ طاقت ور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی۔ ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا‘ آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا۔ روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے‘ کچھ ایران سے بھی زیادہ زبوں تھی۔ پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے۔ جن میں ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا۔ توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ہر پادری ایک بااختیار اللہ اور مسجود خلائق تھا اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی۔ ان کی جنبش لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا‘ حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت سیاہ تاریخ ہے۔ مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں‘ وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجرد اور لذائذ

دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لیے آئی تھی۔ جنگ وجدل' سفاکی وخونریزی اور عیش وہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش ونشاط کے چکلے تھیں' جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا تو ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل وانحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا۔ اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا' لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ اپنے زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے' لیکن یہ اسباق مدت ہوئی' فراموش ہو چکے تھے اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا' جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے۔ شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا۔ پرانے دور میں یہ شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا' اوہام پرستی نے کروڑوں اللہ بنا دیئے تھے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے اللہ تھی۔ بقول ایک ہندو مؤرخ کے' معبودوں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی معبودوں کا اوسط پڑتا تھا۔ پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا تھا۔ ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا' اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے۔ برہمن کے لیے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی۔ اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو بھی لیتے تو اس کی سزا موت تھی۔ نچلے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کر دیے گئے تھے۔

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی ' ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بدمستی میں ہر گناہ ثواب بن جاتا تھا۔ محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی' بڑے بڑے ذی وجاہت امرا کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔ مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا' بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا' بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی۔ مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے' دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی' عورتوں کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی۔ بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر دی جاتی تھیں' عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دی جاتی تھی' اس لیے وہ شوہر کے ساتھ جل کر مر جانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔ اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر اللہ کی تلاش کرتا تھا اور تزکیہ روح کے لیے جسم کو ایسی

دردانگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقت بشری کی برداشت سے باہر ہیں۔ اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے' لیکن انہیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کر دیا تھا' ساری مخلوق میں وہ صرف اپنی قوم کو اللہ کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ تمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا' لیکن وہ بھی ان کے دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا۔ احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے' جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے۔ ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیوں کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی اور سینکڑوں قسم کے اوہام و خرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے' سودخوری ان کی فطرت میں داخل تھی' جس نے ان میں بڑی شقاوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی' معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے' اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم التاریخ تھے' لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور ان کی یہ حالت اب تک قائم ہے' غرض عقیدہ' مذہب' اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے۔ [1]

خود عرب کی حالت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ کی بے آمیزش پرستش کے لیے سب سے پہلے اللہ کا گھر بنایا' دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی۔ گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے' لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور توحید کا رخ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ معبود واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اجنہ کو الوہیت کا درجہ دیتے تھے۔ بتوں کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان میں (۱) لات' (۲) منات' (۳) ہبل اور (۴) عزیٰ زیادہ باعظمت تھے۔ ہبل خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا۔ قبائل کے بت علیحدہ علیحدہ تھے۔ منات اوس و خزرج کا تھا۔ لات ثقیف کا اور عزیٰ غطفان کا۔ عزیٰ کی پرستش ارکان حج میں داخل تھی۔ ان بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے۔ ان پر انسانوں کی قربانیاں ہوتی تھیں۔ بتوں کے نام کے تیروں کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی' ان

[1] دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا پورا بیان سیرۃ النبی ﷺ ج۔۴' ص۔۱۶۲ تا ۱۶۹ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

کے علاوہ سینکڑوں لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے۔ [1] بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے' ربیعہ وغسان عیسائی تھے۔ قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا۔ حمیر' کنانہ' بنو حارث اور کندہ یہودی تھے۔ بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا' بعض قبائل میں ستارہ پرستی رائج تھی۔ [2] ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات وعقائد پائے جاتے تھے۔ کچھ ملحد تھے' جو سرے سے اللہ کے وجود کے منکر تھے' بعض اللہ کے قائل تھے لیکن حشر ونشر اور سزا و جزا کو نہ مانتے تھے' بعض انبیا کے منکر تھے۔ غرض کوئی ایسا عقیدہ وخیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو۔ [3]

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام وخرافات وبا کی طرح پھیلا دیئے تھے۔ اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی۔ جنگجوئی' انتقام پسندی' سفاکی اور خونریزی فطرت میں داخل تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی' جس کا سلسلہ پشت ہا پشت تک جاری رہتا تھا۔ عربوں کی خانہ جنگیاں ''ایام عرب'' کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں۔ اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرموں کو نہایت دردانگیز سزائیں دیتے تھے۔ شراب نوشی گھٹی میں پڑی تھی' عرب کا ہر گھر مے خانہ تھا' بدمستی میں مال و دولت' ننگ وناموس سب قربان کر دیتے تھے۔ قمار بازی بڑے فخر ومباہات کی چیز تھی۔ گھر کی کل دولت حتیٰ کہ عورتیں تک بازی میں لگا دیتے تھے۔ سودخوری بھی یہودیوں کے فیض سے داخل ہوگئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے۔ چوری اور ڈاکہ بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا' فسق وفجور اور بے حیائی وبے شرمی ہنر بن گئی تھی۔ بڑے بڑے شرفا اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق ومحبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے۔ زنا کوئی عیب نہ تھا' عورتوں کی کوئی قیمت نہ تھی' لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے تھے' رکھ لیتے تھے۔ اس عالمگیر ظلمت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور اللہ کی مخلوق' الٰہی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق وشرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خودغرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا۔ ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ راست پر لگائے اور ایک قوم کو نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب

[1] سیرۃ ابن ہشام ج۔ اول اور کتاب الاصنام کلبی وغیرہ میں ان بتوں کی پوری تفصیل ہے۔

[2] انقلاب الامم ابن صاعد اندلسی۔ [3] کلام مجید کی آیات میں ان عقائد کی تفصیل موجود ہے۔

دنیا کے ہر اصلاحی اور مفید انقلاب کی زد' خواہ وہ اخلاقی و روحانی ہو یا مادی' سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے۔ اس سے اس کے وقار و امتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس لیے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ہر مفید تحریک اور دعوت اصلاح کی مخالفت خواہ وہ پیغمبر کی آواز حق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت' اسی طبقہ نے کی اور تجدید و اصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اس کو پھیلانے والے وہی طبقات رہے ہیں' جنہیں غریب' نیچا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا' ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب' دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ ان میں جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی۔ عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا۔ عرب کتابی تعلیم سے ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان میں آزادی' حریت' حق گوئی' جرأت و بیباکی' شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے۔ اس لیے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی۔ اس لیے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لیے اسی سادہ مگر پرجوش قوم کا انتخاب ہوا اور دنیا کے موحد اعظم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا۔

ہاشم کی خدمات و کارنامے

اوپر ہاشم کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ کعبہ کے متولیوں میں قصیٰ کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی۔ قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے۔ ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا۔ عرب کے راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ [1] حرم کے متعلق اپنی مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے قریش میں ان کی عزت و وقعت تھی۔ انہوں نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بچے کو لے آئے اور اپنے آغوش شفقت میں ان کی پرورش کی۔ ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا۔ [2]

---

[1] امالی ابوعلی قالی۔ [2] زرقانی ج۔۱' ص ۸۵۔

عبدالمطلب

سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اپنے زمانہ تولیت میں انہوں نے چاہ زمزم کو جواٹ کر گم ہوگیا تھا۔ پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے' تو ان میں سے ایک لڑکا اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لیے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے۔ عبداللہ کے نام جو تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے' قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے۔ آخر میں رؤسائے قریش کے مشورے سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کی۔ [1]

عبداللہ

اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کر دی۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہوگیا۔ عبداللہ محبوب خاندان تھے' ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا۔

ولادت نبوی ﷺ

عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء میں ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے محمد (ﷺ) نام رکھا۔ [2] اور کل قریش کی دعوت کی۔ قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا' جو اب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا۔ عبدالمطلب نے کہا میرا فرزند ساری دنیا میں مدح وستائش کا سزاوار قرار پائے۔ [3]

حضرت حلیمہ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال

شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے بچوں کو ایام رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے۔ اس دستور کے مطابق چھ مہینے بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھی' حوالہ کر دیا۔ دو برس تک اس بچہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔ اول' ص۔ ۸۲' ۸۳۔ [2] سیرت ابن ہشام ج۔ ا' ص ۸۷۔

[3] ابوالصاج اول ص ۱۱۰۔

نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ تیسرے برس حلیمہ نے یہ امانت آ کر آمنہ کو واپس کر دی۔ ابھی اس یتیم کا سن چھ سال تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں ان کا انتقال ہو گیا اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔ عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی۔ بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی۔ ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے' ایک پل کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ابو طالب کی پرورش اور شام کا سفر

عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابو طالب کے سپرد کر تے گئے۔ ان کو بھی یتیم بھتیجے کے ساتھ محبت تھی۔ اس کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے' ابو طالب کا شغل تجارت تھا' اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بارہویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا' گو ابو طالب آپ کو ایک لمحہ کے لیے جدا نہیں کرتے تھے' لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے' لیکن چلتے وقت آپ ﷺ چچا سے لپٹ گئے۔ اس لیے وہ ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔ عام روایتوں کے مطابق بحیراء راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ [1]

ایک جنگ میں شرکت

[1] اس واقعہ کی تفصیل روایتوں میں یہ ہے کہ جب ابو طالب بصرہ پہنچے تو ایک عیسائی راہب بحیراء کی خانقاہ میں اترے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا' یہ سید المرسلین ہیں' لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ بحیراء نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو تمام درخت اور پتھر سب سجدے کے لیے جھک گئے۔ یہ روایت ترمذی میں ہے' لیکن اصول روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ناقابل اعتماد ہے۔ اولاً اس کے راوی ضعیف ہیں اور دوسرے اس میں ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کے بعد بصرہ ہی سے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکر و بلال رضی اللہ عنہما کے ساتھ واپس کر دیا۔ حالانکہ اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صغیر السن اپنے گھر میں رہے ہوں گے' لیکن اس ضعیف روایت کے باوجود عیسائی مصنفین نے اس روایت کو بہت اچھالا ہے اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مذہب کے اسرار و حقائق بحیراء راہب سے سیکھے تھے' جس کو انہوں نے آگے چل کر اسلام کی شکل میں پیش کیا۔ حالانکہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جاتا تو اس میں بحیراء راہب سے استفادہ کا کوئی ذکر نہیں ہے' پھر آنحضرت ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ اس عمر کا بچہ مذہب کے اسرار و حقائق کو کیا سیکھتا۔ علامہ شبلی نے سیرت جلد اول میں اس کی مفصل تردید کی ہے۔

عربوں میں ہمیشہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس میں جنگ ہوئی' قریش اس جنگ میں برسرحق تھے اس لیے آپ ﷺ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ [1]

تجارت کا شغل

سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسب معاش کی فکر ہوئی۔ اس وقت آپ نے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا۔ لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا۔ آپ ﷺ کے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی۔ اس لیے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دے دیتے تھے۔ آپ نہایت محنت اور دیانتداری کے ساتھ ان کا کام کرتے' رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ [2]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک معزز پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔ آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جائیے' جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس کا دگنا آپ (ﷺ) کو دوں گی۔ آپ ﷺ نے منظور کر لیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات مشاہدہ کیے اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کیے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھیں۔ میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہوگئی۔ ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لیے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شادی کی درخواست کی' آپ نے منظور فرما لیا اور ابوطالب نے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال تھی' پانچویں پشت پر دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔ [3]

---

[1] روض الانف ج۔ا' ص۔۱۲۰۔ [2] زرقانی ج۔ا' تزویج خدیجہ رضی اللہ عنہا میں اس کی تفصیل ہے۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج۔ا' ص۔۲۳۲ و مابعد۔

حلف الفضول میں شرکت

قبائل کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے اور حجاز کا امن وامان خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ جنگ فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تیم نے آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ ملک میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش اور مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد کریں گے۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائیں گے۔ [1] آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔ [2]

تعمیر کعبہ

خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانہ میں پانی سے بچاؤ کے لیے بند بندھوایا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کی عمارت بھی امتداد زمانہ کی وجہ سے کمزور ہوگئی تھی اس لیے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کے حصول کے لیے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے، وہی حکم قرار پائے۔ اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ اس لیے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا۔ آپ نے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھ دیا اور فرمایا، ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے اور جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمایا۔ [3] اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی۔

چونکہ آئندہ چل کر آنحضرت ﷺ کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا، اس لیے اللہ نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرت سلیم عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامن اخلاق ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رہا اور آپ نے رسوم جاہلیت میں سے کسی میں حصہ نہ لیا۔

نبوت کی تمہید

---

[1] طبقات ابن سعد ج۔ ا، ص ۳۸۲۔ [2] مستدرک حاکم ج۔ ۲، ص ۲۲۰۔

[3] مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸۔

یہ قانون قدرت ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے۔ باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں موسم برشگال کا پتہ دیتی ہیں۔ موسم بہار کے آغاز میں فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے۔ اس لیے جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ آپ ﷺ میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی اور روح ایک نامعلوم شے کے لیے بے قرار تھی، لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ ﷺ کی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی۔ آپ ﷺ سامان خورد و نوش لے کر مکہ کے باہر غار حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے الگ مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ [1] جب مجاہدہ و ریاضت سے قلب فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا' اس وقت نبوت کے آثار و علامات شروع ہو گئے۔ خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے' جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل میں نظر آتا۔ [2] جوں جوں یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے' فیضان الٰہی کی لہریں زیادہ تیز ہوتی جاتی تھیں' تا آنکہ جب آپ ﷺ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا' تو ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں تشریف رکھتے تھے۔ فرشتہ غیب نظر آیا اور آپ ﷺ سے کہا﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾[۹۶/العلق:۱] پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا۔ [3]

بعثت

ظہور اسلام

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا' گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں' اللہ کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے' لے گئیں۔ انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا ''یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ (ﷺ) کو نکال دے گی' اس وقت آپ (ﷺ) کی مدد کرتا'' [4] اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

---

[1] فتح الباری۔ [2] مشکوۃ ص ۵۱۳۔
[3] بخاری باب بدء الوحی۔ [4] بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر۔

دعوت اسلام کا مخفی آغاز

لیکن ایک ایسی قوم کو جو صدیوں سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی۔ توحید کی دعوت دینا خصوصاً اس حالت میں کہ رؤسائے قوم کے سالہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا' آسان نہ تھا' اس لیے اول اول اپنے ان مقربان خاص کو اسلام کی دعوت دی' جو لوگ آپ کے عادات و خصائل سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے اول آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، مردوں میں آپ ﷺ کے قدیم رفیق و محرم راز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زید رضی اللہ عنہ' نوعمروں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اور آپ تین سال تک خاموشی سے اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے با اثر تھے۔ ان کے اثر سے حضرت عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے' ان کے قبول اسلام کے اثر سے اس کا دائرہ بڑھنے لگا' چنانچہ حضرت خباب بن ارت' عمار بن یاسر' سعید بن زید' عبداللہ بن مسعود' عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ' صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ یہ تمام کام خفیہ ہوا۔ [1]

اعلانیہ تبلیغ

لیکن آپ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو اعلانیہ دعوت دینا تھا۔ اس لیے تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔ ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُO قُمْ فَأَنذِرْ﴾ [۷۴/المدثر:۱-۲] اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ [۱۵/الحجر:۹۴] اور ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [۲۶/الشعراء:۲۱۴] اس حکم پر آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی ﴿يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ﴾ اے قریشیو! آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے' تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے۔ فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ [2] یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے

---

[1] ان بزرگوں کے قبول اسلام کے واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

[2] بخاری ج۔۲' ص ۷۰۱۔

خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ ﷺ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے' اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ سب خاموش رہے' صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف ہے' میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر ہوں' لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے۔ [1]

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز

اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک دن حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا' اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے۔ حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی' اس میں وہ مقتول ہوئے' یہ راہ اللہ میں پہلا خون تھا۔ [2] اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی' لیکن جوں جوں اسلام کے پرستاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا' مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی' ان کی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے۔ اسلام ان کے صدیوں کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا۔ ان کے معبودوں کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے' آگ کا ایندھن بتاتا تھا۔ قرآن علانیہ قریش کی بداخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا' اسلام اس کا خاتمہ کیے دیتا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے اس لیے' بنی امیہ آل ہاشم میں نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے یہ سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ابوطالب سے شکایت' ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال

ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ تاہم شروع میں انہوں نے سختی کی بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت ﷺ کو باز رکھنے کی کوشش کی' جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا۔ انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا' لیکن آنحضرت ﷺ اپنے فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے' ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے' ہمارے

---

[1] طبری ج ۳' ص ۱۱۷۱۔ [2] اصابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ۔

معززین کو نا سمجھ بتاتا ہے' اس لیے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ' ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کرلیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر نا قابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے' ابو طالب تھے' ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "چچا جان اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتا' تا آنکہ میں کامیاب ہوں یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے" ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا کہ جاؤ جو دل آئے کرو' میں کسی بھی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ [1]

قریش کی ایذا رسانی

ابو طالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے' نماز پڑھتے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے' بدزبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن ابی معیط نے گردن مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ [2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنا فرض برابر ادا کیے جاتے تھے۔

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

قریش سخت متحیر تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انہوں نے اپنی محدود پرواز خیال کے مطابق خیال کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کا حصول ہے' اس لیے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں' بشرطیکہ تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔ ان ترغیبات کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا۔ یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ قریش سے جا کر کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے نہ کہانی نہ شاعری' وہ کچھ اور ہی شے ہے' اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔ا ص ۸۹۔ [2] بخاری باب مالقی نبی صلی اللہ علیہ وسلم من المشرکین۔

نہیں سنا' میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے۔ [1] لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

چند دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ عدی کے منصب دار عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اپنے بہن بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے' اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لیے گئے تھے' لیکن قرآن کی سحر آفریں آیتیں سن کر مسحور ہو گئے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے۔ ان کے لیے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جری اور دبدبہ وشکوہ کے شخص تھے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی۔ انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مشرکین نے اول اول ان پر بھی بڑی سختی کی' لیکن ان کی ثابت قدمی نے انہیں شکست دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ [2]

مسلمانوں پر مشرکین کا جور وستم

جب اسلام غربا اور کمزوروں سے بڑھ کر ارکان وعمائد میں پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ میں مجبور ہو گئے۔ اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی ومددگار مسلمانوں پر ٹوٹنے لگا۔ چنانچہ انہیں ستانے کے لیے نئے نئے انداز ستم ایجاد کیے۔ ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ غریب ہلنے نہ پائیں۔ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی۔ پانی میں غوطہ دیتے' رسی باندھ کر گھسیٹتے۔ حضرت بلال' خباب' عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے۔ مرد تو مرد، مسلمان عورتیں تک ان ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ تھیں۔ حضرت بلال وغیرہ کی طرح حضرت سمیہ' زنیرہ اور لبینہ رضی اللہ عنہن بھی مشق ستم تھیں۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا۔ [3] لیکن یہ تمام سفاکیاں کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔ ا' ص۔ ۱۵۴' ۱۵۵۔ [2] اسلام کی تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے' اس لیے سیرت وطبقات کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ دیکھو ابن ہشام جلد اول' ص۔ ۱۸۶ وما بعد۔ [3] ان بزرگوں کے اس ابتلا کے حالات ابن سعد وغیرہ میں ان کے ترجموں میں مذکور ہیں۔

حبشہ کی ہجرت

جب مشرکین کی ستم رانیاں حد سے سوا ہو گئیں اور ارض حرم میں جہاں جانوروں تک کو ستانے کی ممانعت ہے' مسلمانوں کے لیے سانس لینے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو ارض حبشہ جو ان کے لیے مانوس مقام تھا' چلے جانے کا حکم دیا۔ اس حکم پر ۵ نبوی بعثت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا' لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے۔ [1]

مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحم دل اور منصف مزاج تھا۔ اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی۔ اس لیے حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا' لیکن قریش اسے بھی گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریوں کو ہموار کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپ کے دونوں کے مذہب کے خلاف ہے' اختیار کیا ہے اور آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ امرائے دربار نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے نو وارد مسلمانوں کو بلا کر ان سے پوچھا ''تم نے وہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے؟'' اس کے استفسار پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر کی!

> ''اَيُّهَا الْمَلِكُ! ہم لوگ جاہل تھے' بتوں کو پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاری اور قطع رحم کرتے تھے' ہمسایوں کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے۔ ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں اللہ نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت' پاکبازی' امانت داری اور حسب و نسب سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہم کو معبود واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں۔ صرف معبود واحد کی پرستش کریں' سچ بولیں' امانتداری اور صلہ رحمی کریں' انسانوں کا حق ادا کریں' خونریزی اور حرام باتوں کو چھوڑ دیں' عفیفہ عورتوں پر تہمت نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے' اس کی تعلیمات کو قبول کیا'

[1] اس کی پوری تفصیل طبری ج ۳۔ ذکر ہجرت حبشہ میں ہے۔

شرک چھوڑ کر اللہ کی عبادت اختیار کی' حلال وحرام کو پہچانا اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کرلیں''۔

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا' اسے سن کر نجاشی اور اس کے بطریقوں پر بے اختیار رقت طاری ہوگئی اور اس نے کہا ''اللہ کی قسم! یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں'' اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔ اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا' ان لوگوں سے ذرا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو پوچھیے' کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا۔ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کا سخت مخالف تھا' لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو، وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کریں گے۔ چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ ''تم نے جو کچھ بیان کیا' عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں''۔ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے' لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی۔ [1]

حبشہ کی دوسری ہجرت

چند دنوں حبشہ میں قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں سن کر مکہ لوٹ آئے' قریب پہنچ کر حقیقت معلوم ہوئی' کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے' لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان میں آ گئے۔ قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے اس لیے اب انہوں نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا۔ اس لیے دوبارہ ۱۰۲ مسلمانوں کو جن میں ۸۲ مرد اور بیس عورتیں تھیں ترک وطن کرنا پڑا۔

بنی ہاشم کا مقاطعہ' شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی

---

[1] یہ پوری تفصیل مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص۔۲۰۲ اور سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص۔۱۸۱ وما بعد میں مذکور ہے۔

قریش کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے' ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ ان کے ساتھ خرید و فروخت بند کر دی جائے' ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے' ان سے کسی قسم کا ربط وضبط نہ رکھا جائے۔ غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لیے جائیں۔ مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے ابوطالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں' جو انہی کے نام کی نسبت سے ''شعب ابی طالب'' مشہور تھی' چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی۔ بعض رحم دل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے' جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی۔ انہوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے۔ چنانچہ ہشام مخزومی' زمعہ بن الاسود' مطعم بن عدی اور زبیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے۔ [1]

معراج اور فریضہ نماز

اسی سن میں معراج ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو عالم افلاک اور جنت دوزخ کی سیر کرائی گئی' معراج ہی میں نماز پنج گانہ فرض ہوئی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت ﷺ کے چہیتے اور ظاہری پشت پناہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ ﷺ کے دو محسن اٹھ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی میں بے باکی

ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مالی وجاہت رسول اللہ ﷺ کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے۔ ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس ولحاظ باقی نہ رہ گیا اور ان کو نہایت آزادی کے

[1] اس کا ذکر ابن سعد' ابن ہشام اور طبری وغیرہ سب کتابوں میں ہے۔

ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا' چنانچہ انہوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ 1

تبلیغ کے لیے طائف کا سفر اور واپسی

اگر چہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی' آنحضرت ﷺ عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آ رہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے' لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ ﷺ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی۔ اس لیے دوسرے بندگان اللہ کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور یہاں کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن یہاں بھی وہی جواب ملا اور وہی تمرد وسرکشی نظر آئی' جس کا مشاہدہ مکہ میں ہو چکا تھا' بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے' سب کو نہ سہی' بعضوں کو آپ ﷺ کا پاس ولحاظ تھا۔ طائف والے بالکل بیگانہ تھے' اس لیے انہوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا۔ اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے اور آپ ﷺ پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا۔ اس لیے آپ ﷺ یہاں سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے۔ 2

مطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضہ تبلیغ میں وسعت

اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی امان میں لے لیا ہے' اب کوئی انہیں ستانے کا ارادہ نہ کرے' مطعم بن عدی کی امان میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ عام مجمعوں میں عکاظ اور ذی المجاز کے بازاروں میں حج کے موقع پر بنی عامر' بنی فزارہ' غسان' مرہ حنیفہ' سلیم' عبس' بنونضر' کندہ' کلب' عذرہ' حضار' مہرہ وغیرہ قبائل کا دورہ کر کے لوگوں کو پیغام حق سنایا۔ دشمن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے' جھوٹ کہتا ہے' اس کی باتیں نہ سنو۔ 3

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت

عین ان حالات میں اللہ نے قبیلہ اوس وخزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے

---

1 حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ 2 مواہب لدنیہ میں اس کی پوری تفصیل ہے دیکھو زرقانی ج اول ص ۳۵۸۔ 3 مستدرک حاکم ج اول ص ۱۵۔

تھے۔ اگر چہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے' لیکن یہودیوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان پر یہودیوں کا بڑا اثر واقتدار تھا' لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے۔ یہ بھی حج کے لیے مکہ آیا کرتے تھے۔ موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے' اسلام پیش کیا۔ انہوں نے جن کی تعداد چھ تھی' اسلام قبول کرلیا۔ اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انہیں احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ کے رئیس اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے' مدینہ آنے کے بعد انہوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کر دی۔ ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا۔ اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے' ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر بہتر (۷۲) اہل مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے دست حق پر بیعت کی۔ [1]

اگر چہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے نکل کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں' لیکن خود اہل مکہ کے تمرد وسرکشی کا اب تک وہی حال تھا۔ گو یہاں بھی ایک معتدبہ جماعت اسلام لا چکی تھی' لیکن رؤساجو اسلام کی راہ کا سنگ گراں تھے' اب تک ضلالت پر قائم تھے' بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا اور غریب مسلمانوں پر انہوں نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی۔

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد وپیمان

آنحضرت ﷺ کا فرض صرف چند انسانوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا' بلکہ سارے عالم کو اللہ واحد کے سامنے جھکانا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلا گھر اللہ کا تھا۔ بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے۔ اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد بھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لیے کسی پرامن مقام کی ضرورت تھی۔ اوس وخزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر نثار کرنے کو تیار تھی۔ اس

[1] زرقانی ج اول ص ۳۱۷ تا ۳۲۶ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

لیے آپ ﷺ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا' انصار کے لیے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔ وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان میں خون کی محبت موجود تھی' ان بہتر (۷۲) انصاریوں سے جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا' فرمایا کہ گروہ خزرج! محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں ہم ان کے دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے' اب وہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں' اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے' ورنہ ابھی صاف جواب دے دو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس پر بیعت کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے' یہ سن کر براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی۔ براء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے پشت ہا پشت سے جنگ و جدال میں پرورش پائی ہے۔ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ بات کاٹ کر بولے' یا رسول اللہ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں' بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے' ایسا نہ ہو کہ جب آپ (ﷺ) کو اقتدار حاصل ہو' اس وقت آپ (ﷺ) ہم کو چھوڑ دیں اور اپنے وطن لوٹ آئیں۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ [1] اس گفتگو کے بعد آنحضرت ﷺ نے جماعت انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا بھائیو! خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہاں! ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔ [2]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجرت مدینہ

مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی' لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نکل گئے۔ صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو ناداری کی وجہ سے مدینہ تک جانے کی طاقت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۲۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۴۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن وسکون نصیب ہوا اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا' وہ سن کر پیچ وتاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس لیے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ عتبہ' ابوسفیان' جبیر بن مطعم' ابوجہل' امیہ بن خلف اور حکیم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں۔ سرخیل اعداء ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد (ﷺ) ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہوتا کہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور رات گزرنے کے بعد کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر کے آپ ﷺ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ [1]

ہجرت نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی۔ آپ ﷺ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا ''میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا' تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو' صبح کو سب امانتیں پہنچا دینا'' اللہ کو اپنا دین مکمل کرنا تھا' اس لیے مشرکین کو نیند آ گئی اور انہیں غافل پا کر آنحضرت ﷺ گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ ...... ''مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے' لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے'' ...... کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے' یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا۔ فوراً دونوں روانہ ہو گئے اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے۔ تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ اس درمیان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے اور سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آ کر ان کی اطلاع دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا۔

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی

ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت ﷺ کی بجائے حضرت

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔۱' ص ۲۶۵۔

علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر پایا۔ یہ بہت کمسن تھے' اس لیے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے' ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے گھبرا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا' گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا' اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ بن جعشم نے دور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا' لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا۔ اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا' لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں لیں۔ قریب پہنچ کر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس پیہم بدشگونیوں پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں' اس لیے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی آئندہ کے واسطے میرے لیے امان لکھ دیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے لکھوا کر دے دیا' یہ تحریر پا کر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ [1]

اہل مدینہ کا انتظار

اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں چشم براہ تھے۔ روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کر کے ناکام لوٹ جاتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا انتظار کرتے تھے' وہ آ گیا' یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیروں سے گونج اٹھا۔

قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس

مدینہ سے باہر قبا میں چند انصاری خاندان آباد تھے' حوالی مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی منزل قبا میں کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی حاصل ہوا' قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر

---

[1] یہ پوری تفصیل بخاری باب الہجرت سے ماخوذ ہے۔

سن کر جوق در جوق انصاری اسلام کے لیے حاضر ہونے لگے۔ 1 یہاں آپ ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن میں ﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ ﴾ [۹/التوبہ: ۱۰۸] سے یہی مسجد مراد ہے۔ 2

مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام

تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم کے محلّہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ سارا مدینہ استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا تھا۔ قبا سے مدینہ تک دورویہ انصاریوں کی صفیں تھیں۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا، حضور ﷺ! یہ جان ہے، یہ مال ہے، یہ دولت ہے۔ آپ ﷺ اظہار منت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ سارا مدینہ جوش استقبال میں امنڈ آیا، عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں، معصوم لڑکیاں خوشی میں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ 3 جب کوکب نبوی ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس پہنچا، اس وقت شرف میزبانی کے لیے باہم سخت کشمکش ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، وہ جہاں جا کر بیٹھ جائے گی، وہی میری قیام گاہ ہوگی، چنانچہ یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ آپ ﷺ نے سات مہینہ ان کے یہاں قیام فرمایا، اسی وقت سے سن ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام

اب تک مدینہ میں مویشی خانہ میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی۔ انہوں نے بلا قیمت نذر دینی چاہی، مگر آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی، جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت پتوں کی تھی، قریب ہی نادار مسلمانوں کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا، جو تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد کی تعمیر کے بعد اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بنے۔ 4

تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا، جس سے اسلام کی عبادتوں کا ایک مقصد یعنی وحدت و اجتماع فوت ہوتا تھا۔ تعمیر مسجد کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کے لیے حضرت

---

1 بخاری ج۔ ا ص۔ ۵۶۰ و طبقات ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۵۸۔

2 اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء میں مذکور ہے۔ 3 زرقانی ج۔ ا ص۔ ۳۳۳۔

4 اس مسجد کی تعمیر کے حالات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں پوری تفصیل ابن سعد حصہ سیرت ص۔ ۱۶۱ میں مذکور ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اذان دینے کا طریقہ جاری ہوا۔ [1]

مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت اور انصار کا بے مثال ایثار

مکہ کے غریب الوطن جنہیں اسلامی اصطلاح میں ''مہاجرین'' کہا جاتا ہے' بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے۔ اگرچہ ان میں بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے' لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے لا نہ سکے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی۔ اس موقع پر انصار نے جس فیاضی' جس ایثار اور جس میزبانی کا ثبوت دیا' تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی' بلکہ ان کو مال و دولت' زمین' جائیداد' کھیتی باڑی' اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا' حتیٰ کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جن کی دو بیویاں تھیں' ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سامنے نکاح کے لیے پیش کیا' لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ اس سے انکار کر دیا۔ [2] اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علیحدہ شروع کر دیا' یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیت میراث نازل نہ ہوئی' اس وقت تک متوفی انصار کی وراثت مہاجرین کو ملتی تھی۔ جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی' مہاجرین' انصار کی امانت انہیں واپس کرتے گئے۔

یہود مدینہ سے معاہدہ

یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے۔ مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آرہے تھے۔ گو اب ان کا پہلا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا۔ تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی۔ اس لیے ان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرات تھے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک معاہدہ کیا' جس کی اہم دفعات یہ ہیں کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے' فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے' کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا' جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔ فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسری طاقت

---

[1] بخاری باب الاذان وابوداؤد باب بدء الاذان۔ [2] انصار کے اس ایثار و قربانی کے واقعات مختلف کتابوں میں ہیں۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری کتاب المناقب باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔

سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہو گی' البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی [1] اب تک نماز کی صرف دو رکعتیں تھیں۔ ا ھ میں فجر کے علاوہ ظہر' عصر اور عشاء میں چار چار ہو گئیں۔

مکہ کا قبلہ قرار پانا

اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا' نماز پڑھتے تھے' لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا۔ اس کے استقلال و اختصاص کے لیے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت تھی۔ اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لیے آیا تھا اس لیے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم علیہ السلام ہی ہو سکتا تھا' چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ ھ میں اللہ نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا۔

یہودیوں کی مخالفت کا آغاز

انصار کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے ان پر مدتوں سے یہودیوں کا' جو مذہب اور دولت و ثروت دونوں میں ان سے ممتاز تھے' مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا۔ اسلام نے ان کی برتری کو نقصان پہنچایا تھا' اس لیے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے' لیکن ابتدا میں ان کی مخالفت پردہ میں رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا' اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانوں کے بھیس میں' نمازوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے' لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے' اس لیے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا' اس وقت ان کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور وہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔

مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ

سنہ ۲ ھ سے اسلام کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور اس کے پیرووں کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر اپنی بقا و حفاظت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینی پڑی' اس دور پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جب تک مکہ میں کسمپرسی کی حالت میں رہا' اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا' مدینہ پہنچ کر جب اس میں قوت پیدا ہوئی' اس وقت اس نے تلوار اٹھائی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہیں رہی لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا' وہاں صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا' مدینہ آ کر اس میں یہودیوں اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہو گیا۔ یہود کی مخالفت کا

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ابن ہشام ج ۱' ص ۲۷۸' ۲۸۹۔

سبب تو کھلا ہوا ہے کہ اسلام ان کے صدیوں کے وقار کو مٹا رہا تھا۔ انصار کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جن کی سیادت خطرہ میں پڑ گئی تھی' گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا۔ 1 اس کے علاوہ قریش جنہیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی' تمام قبائل عرب کو' جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے' مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو' ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ 2 آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے' اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے عبداللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا اور انصار کی حمایت اسلام پر قریش کا جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے۔ قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے"۔ 3 قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔ 4

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں

ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصار کی حفاظت کے لیے' جنہوں نے اسلام کی خاطر قریش کی دشمنی خرید لی تھی' مدافعانہ کارروائی کرنی پڑی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کر دی اور حمزہ' عبیدہ بن حارث اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو مختلف اوقات میں تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لیے آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا۔ سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا کہ اگر کوئی

---

1 بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔ 2 سنن ابی داؤد ج ۲' ص ۶۷' باب خبر النضیر۔
3 صحیح بخاری کتاب المغازی۔ 4 لباب النقول فی اسباب النزول سیوطی و مسند دارمی۔

قوت ان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے اور جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ مدد کے لیے آئیں گے۔ (1)

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ

اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے مویشی لوٹ لیے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لیے' لیکن کرز بچ کر نکل گیا۔ (2) اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے ذوالعشیرہ تشریف لے جا کر بنی مدلج سے معاہدہ کیا۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

رجب ۲ھ میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بارہ آدمیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے کاروان تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو تجارت کا سامان لیے ہوئے شام سے واپس آ رہے تھے' مل گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کر کے مدینہ لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی۔ (3)

غزوۂ بدر

سوئے اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے' وہ معززین قریش تھے۔ اس لیے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے' اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہو گئے' اسی دوران میں مکہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ مسلمان قریش کا کاروان تجارت لوٹنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس خبر پر قریش بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے جان نثارانہ تقریریں کیں' لیکن آپ ﷺ انصار کا عندیہ لینا چاہتے تھے۔ قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انصار کی طرف سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور جس سے چاہیں تعلق

---

(1) زرقانی جلد اول' ص ۴۷۷۔ (2) بخاری کتاب المغازی واصابہ تذکرہ کرز بن جابر۔

(3) سیرۃ ابن ہشام ج۔ ا' ص۔ ۳۴۴' ۳۴۵ وطبری ص۔ ۱۲۷۵۔

منقطع کر لیجیے، جس سے چاہیں قائم رکھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جو لینا چاہیں یا ہم کو دینا چاہیں، ہم دونوں کے لیے حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا جس قدر مال قبول فرمائیں گے اس سے ہم کو زیادہ خوشی ہوگی، اس مال کے مقابلہ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں گے ہم سب آپ کے تابع ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برک غماد تک بھی جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود پڑیں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں، جس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑیں گے''۔ یہ تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ وفور مسرت سے چمک اٹھا [1] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ۲ ہجری ۶۲۴ء میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ٹھہر گئے، لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا، اس لیے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی، الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ آج اگر یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ [2] یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں، لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا، چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی۔ [3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ [4] پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا۔ مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے قتل کیا۔ قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے تمام کیا، اس کے بھائی شیبہ کو علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے ختم کیا۔ عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مارا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو

---

[1] زاد المعاد جلد اول، ص ۳۴۲۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد اول، ص ۳۶۰۔

[3] استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ [4] سیرت ابن ہشام ذکر غزوہ بدر۔

گئیں۔ دو انصاری نوجوان معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما ابوجہل کی تاک میں تھے' نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے جھپٹ کر معوذ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا' ہاتھ شانہ سے لٹک گیا' صرف تسمہ لگا رہ گیا تھا' مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے' لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لیے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی' لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے حلیف تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو مکہ میں اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا۔ انہوں نے انصار کو خبر دی۔ وہ دو طرف سے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بچانے کے لیے امیہ پر لیٹ گئے' لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی فریاد کے مقابلہ میں لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔ [1]

اسیران جنگ سے حسن سلوک

امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا' مسلمانوں میں کل ۱۴ آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن اسود' امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے اور مشاہیر قریش میں حضرت عباس' عقیل' نوفل' اسود' عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا۔ اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ [2] جن کے پاس کپڑے نہ تھے انہیں کپڑے دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا۔ جو لوگ ناداری سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے' تو ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ [3]

قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ بدر۔

[2] طبری ص ۱۳۳۸۔

[3] مسند احمد بن حنبل جلد اول' ص ۲۴۶۔

اس جنگ میں بہت سے رؤسائے قریش مارے گئے تھے۔ ان کے بعد ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کی مسند ریاست پر بیٹھا۔ عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لے لے گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالے گا۔ دوسو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا۔ بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پرتکلف دعوت کی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا۔ اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو طلاع ہوئی تو آپ ﷺ اس کے تعاقب میں نکلے' لیکن ابوسفیان نکل گیا۔ [1]

متفرق واقعات

اسی ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ میں نماز عید ادا ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا اور ایک چارپائی' چمڑے کا گدا' ایک چھاگل' دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دیئے۔ [2]

غزوۂ احد

اگرچہ عریض پر حملہ سے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی' لیکن جن جن لوگوں کے اعزہ بدر میں قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد ﷺ نے قریش کو تباہ کر دیا ہے۔ اس کا انتقام ضروری ہے' اس کے اخراجات کے لیے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلایا جائے۔ سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ تیاریاں شروع ہوگئیں اور شوال ۶۲۴ء (۳ھ) میں بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے' آنحضرت ﷺ کو خفیہ اطلاع بھجوا دی۔ آپ ﷺ نے پتہ چلانے کے لیے آدمی بھیجے' معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے۔ [3]

---

[1] ابن سعد ج ۲' ص ۲۰۔
[2] ابن سعد ج ۸ تذکرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وزرقانی ج ۲ میں اس نکاح کی پوری تفصیل ہے۔
[3] ابن سعد ج ۲' ص ۲۵۔

دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے' لیکن پرجوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر صف آرائی کی جائے۔ ان کے اصرار پر آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے' عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کے ساتھ معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔ احد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری عطا ہوئی۔ پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا' اس لیے پچاس آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی' میمنہ پر خالد بن ولید' میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل' سواروں پر صفوان بن امیہ' تیر اندازوں پر عبداللہ ابن ابی ربیعہ تھے' علم طلحہ کے ہاتھوں میں تھا۔ قریش کی صف سے پہلے ابو عامر [1] میدان میں آیا اور پکارا' اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟ انصار نے جواب دیا ''بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں' اللہ تیری آرزو بر نہ لائے''۔ اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا ''کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' حضرت علی' حمزہ اور ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہم نے اپنے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے' جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا' نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ [2]

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے لیکن علم سرنگوں نہیں ہونے پایا تھا' مگر حضرت علی اور ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہما کے بے پناہ حملوں نے آخر میں پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ان کے پاؤں اکھڑتے ہی مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا۔ عبد اللہ بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے' جو اب تک اپنی جگہ پر تھے' چند جانبازوں کے ساتھ روکا' مگر سب شہید

---

[1] یہ مدینہ کا باشندہ تھا اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہو گیا تھا اور اس کی زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا۔ [2] بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ج۔۲ص ۳۸۵۔

ہوئے اور خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لیے اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ (1) اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہ رہی۔ آپس ہی میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے' شہید ہو گئے اور شبہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی' اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان اور خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ جان نثار باقی رہ گئے۔ (2) لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل' ابن نضر انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کریں گے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (3) بہت سے جان نثار اس حالت میں بھی لڑتے جاتے تھے' عین اس وقت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ انہوں نے پہچان کر پکارا' مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہیں' یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس سمت آ گئے۔ کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی' کون مجھ پر جان دیتا ہے' اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے۔ (4) عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور چہرۂ انور پر تلوار ماری' مغفر کی دو کڑیاں پیوست ہو گئیں' یہ دیکھ کر جان نثاروں نے ہر طرف سے حصار میں لے لیا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہو گئے' جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے۔ ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے تین کمانیں توڑیں اور سینہ سامنے کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم نہ پہنچنے پائے۔ (5) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمت عالم کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں''۔ (6) چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم میں بھرا' اس سے خون تھما۔ (7) مشرکین کا ریلا رکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند جان نثاروں کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے' مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی۔ ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لیے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں ہیں؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو

---

(1) بخاری' غزوۂ احد ج ۲۔ص ۵۷۹۔ (2) بخاری' غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۷۹ و کتاب التفسیر باب الرسول یدعوکم۔
(3) سیرۃ ابن ہشام۔ (4) مسلم باب غزوۂ احد۔ (5) مسلم باب غزوۂ احد جلد اول ص ۹۰۔
(6) بخاری غزوۂ احد ج۔۲' ص ۵۸۱۔ (7) بخاری غزوۂ احد ج۔۲' ص ۵۸۴۔

جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابوسفیان نے جواب نہ پا کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو آواز دی، اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس وقت اس نے مسرت میں نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا، بولے، اے اللہ کے دشمن! ہم سب زندہ ہیں، یہ سن کر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا "اعل ھبل" صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جواب دیا "اَللهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ" ابوسفیان پکارا "لَنَا الْعُزّٰى وَلاَ عُزّٰى لَكُمْ" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا "اَللهُ مَوْلاَنَا وَلاَ مَوْلٰى لَكُمْ" [1] مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہوگئی اور وہ لوٹ گئے۔ اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے، اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ دیئے، ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کو پھولوں کی طرح کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جان فروشی دکھائی، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ [2]

مشرکین کے حملہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے، آپ کی حفاظت کے لیے حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں، جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب آپ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر اس کو روکا، اس روکنے میں ان کا شانہ زخمی ہوا۔ انہوں نے بھی تلوار چلائی، لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لیے وار کارگر نہ ہوا۔ [3]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، مشرکین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائے، انہوں نے ماں سے کہا۔ وہ بولیں میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن راہ للہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر خاموش ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ [4] ان سب سے بڑھ کر ایک انصاری خاتون کا واقعہ ہے۔ جن کے باپ، بھائی اور شوہر سب کے سب جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر ملی۔ یہ

---

[1] بخاری غزوہ احد ج ۲، ص ۵۸۴۔　[2] بخاری ج ۲، ص ۵۸۲۔
[3] سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۴۶۰۔　[4] طبری ص ۱۴۲۱۔

ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیریت' انہوں نے پاس جا کر چہرۂ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں:

﴿كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ﴾

''تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں'' [1]

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے۔ اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر گھر میں کہرام بپا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ یہ انسانی فطرت تھی۔ چنانچہ انصار نے آپ ﷺ کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے کے لیے بھیجا' لیکن آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ [2]

متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی' وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

مختلف سرایا ۴ھ

غزوۂ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی چھوٹی فوج کشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے مختلف اسباب تھے' سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا' دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی اور حج کے موقع پر ہر حصے کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے' قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائل عرب کے معاش کا ذریعہ لوٹ اور غارت گری تھا۔ اسلام اس کو بھی روکتا تھا' اس لئے قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر اسلام غالب آ گیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے' بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے لیکن احد کی شکست نے انکا حوصلہ بڑھا دیا اور دفعۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے اول محرم ۴ھ میں طلیحہ بن خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا'

---

[1] طبری ص ۱۴۲۵۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۲' ص ۸۴۔

آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ابوسلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے [1] اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا' آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا انہوں نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا۔ [2] صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے ستر (۷۰) آدمی ساتھ کر دیئے۔ انہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ' رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا' مسلمان حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے' آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا۔ اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا' صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا' آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ [3] اس زمانہ میں قبیلہ عضل وقارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے' ان کی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے' آپ ﷺ نے دس معلم بھیج دیئے' مقام عسفان میں پہنچ کر غداروں نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا' انہوں نے دو سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ' ہم تم کو امان دیتے ہیں' سات مسلمانوں نے ان کی امان میں جانا پسند نہ کیا اور لڑ کر جان دیدی' خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ یہ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے' کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔ یہ دونوں مشرکین مکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ [4]

متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا' آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد کیا' بعض مورخوں کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ میں حرام ہوئی۔

یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب

انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے' اس لئے انصار کے مقابلہ میں ان کو خاص تفوق اور

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲' ق اول ص ۳۵۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۲' ق اول ص ۳۶۔

[3] زرقانی ج ۲ ص ۹۸۔ ۸۹ میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ [4] بخاری غزوہ رجیع و طبقات ابن سعد غزوہ مذکور۔

امتیاز حاصل تھا' لیکن مسلمانوں کے مدینہ آنے کے بعد ان کا قدیم وقار گھٹتا جاتا تھا' انصاریوں کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضوں سے چھوٹتے جاتے تھے' قرآن علیحدہ انکے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا' اس لئے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ گئے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا' ان کا معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ" کی بجائے "اَلسَّامُ عَلَيْكَ" کہتے' جس کے معنی ہیں کہ "تجھ کو موت آئے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ضبط وتحمل سے کام لیتے اور حتی الامکان یہودیوں کو ٹھیس پہنچانے سے بچتے' بلکہ ان کی دلجوئی کرتے اور ان معاشرتی امور میں' جن کے بارہ میں قرآن مجید میں کوئی حکم نہ ہوتا' یہود کی موافقت فرماتے' لیکن یہودیوں کو نظر آ رہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی' اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

مشرکین کی نگاہوں میں اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانوں سے تو تم اچھے ہو اور خود جھوٹا اسلام قبول کر کے مرتد ہو جاتے' تاکہ اسلام کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں جمنے نہ پائے [1] اوس وخزرج میں جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست وبازو تھے اور اسلام نے انہیں ملا دیا تھا' پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے' ایک آدھ مرتبہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں' لیکن عین موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈا کر دیا' [2] ان کی دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ مخفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے درپے ہوئے اور ان کی جانب سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ [3]

غزوۂ بنی قینقاع

اگرچہ یہودیوں نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے' تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی' ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی' ایک انصاری نے جوش حمیت میں یہودی کو قتل کر دیا' یہودیوں نے انصاری کو مار ڈالا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا "اللہ تعالیٰ سے ڈرو' ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے" گو یہود مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہو چکا تھا' جو اوپر گزر چکا ہے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے جواب دیا "ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے" یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

---

[1] قرآن پاک کی اس آیت ﴿ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰؤُلَاءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ [۴/ النساء: ۵۱] میں اس کی تصریح موجود ہے۔ [2] اصابہ ج ۱ ص ۱۸۸۔ [3] تفصیل کے لئے دیکھو اصابہ تذکرہ طلحہ بن براء۔

کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کرنے کا فیصلہ کرلیا' یہود قلعہ بند ہو گئے' آنحضرت ﷺ نے محاصرہ کرلیا' پندرہ دن کے بعد یہودی آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیوں کو جلاوطن کردیا اور یہ لوگ شام کے علاقہ اذراعات جا کر آباد ہوئے۔ [1]

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا بااثر یہودی تھا۔ اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ پرخاش تھی' بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا' چنانچہ اظہار تعزیت کے لئے مکہ گیا تھا اور مقتولین بدر کا نہایت پرزور مرثیہ لکھا تھا' اور اس کو پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا۔ [2] رسول اللہ ﷺ کی ہجو کہہ کر قریش کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا [3] ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام کا حلف دلوایا تھا' [4] مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر سناتا تھا' آپ کو خفیہ نقصان پہنچانے یا شہید کرنے کی سازش کی [5] اس کی ان فتنہ انگیزیوں پر آنحضرت ﷺ سے صحابہ نے شکایت کی' رؤسائے اوس نے قتل کی رائے دی' چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے اس کے گھر جا کر بلطائف الحیل اس کو قتل کر ڈالا۔ [6]

آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا' اس کا خون بہا یہودی قبیلہ بنی نضیر کے ذمہ تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے' بنی نضیر نے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا' لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا' آپ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا اس لئے آپ ﷺ بچ کر لوٹ آئے۔ [7] چند دنوں کے بعد آپ ﷺ نے بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدہ کی تجدید کی' بنی نضیر سے بھی تجدید کرنی چاہی' مگر وہ راضی نہ ہوئے [8] اور آپ ﷺ کو تین آدمیوں کے ساتھ اپنے علما سے مناظرہ کرنے کے لئے بلا بھیجا کہ اگر یہ لوگ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام وابن سعد غزوہ بنی قینقاع۔ [2] سیرت ابن ہشام حالات غزوہ بدر۔

[3] ابوداؤد باب کیف کان اخراج الیہود۔ [4] تاریخ خمیس ص ۵۱۵۔

[5] ابن واضح کاتب عباسی کے الفاظ یہ ہیں ارادان یمکر برسول اللہ ﷺ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۔

[6] بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ [7] زرقانی ج ۳ ص ۹۳۔

[8] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ خبر النضیر۔

آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم بھی لے آئیں گے' آپ ﷺ نے منظور فرمالیا' راستہ میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود نے اس بہانہ سے قتل کے لئے بلایا ہے۔ ❶

غزوۂ بنی نضیر

ان پیہم مخالفتوں کی بنا پر آپ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا' یہ اس غلط فہمی میں تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دیں گے' لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور علانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور اپنا مال و متاع ساتھ لے کر خیبر آباد ہوئے۔ ❷ پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا سامنا تھا، اب یہود بھی حریف بن گئے' اور دونوں نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگادی اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' پہلے انمار و ثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ محرم ۵ھ میں چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے' انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے' اس لئے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ ❸ اس کے بعد ربیع الاول ۵ھ مذکور میں کفار نے دومۃ الجندل میں اجتماع کیا' آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے' یہ بھی منتشر ہو گئے۔

غزوۂ بنی مصطلق

خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا' ان دونوں میں باہم قرابت داریاں بھی تھیں' اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا' اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع میں آباد تھی' اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ ❹ اس لئے آنحضرت ﷺ شعبان ۵ھ میں مدافعت کے لئے نکلے' حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی آبادی نے مقابلہ کیا' مسلمانوں نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ❺

مریسیع کے معرکہ میں مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے' جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے' ایک دن چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا' دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی' فریقین کی تلواریں نکل

---

❶ فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵۔ ❷ طبری ص ۱۴۵۲۔ ❸ ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع۔

❹ ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵'۴۶۔ ❺ ابن سعد حصہ مغازی، ص ۴۵، ۴۶۔

آئیں' چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا' اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا اس نے انصار سے کہا ''تم نے یہ بلا خود مول لی ہے' مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں' اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہاں سے چلے جائیں گے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں؟'' [1] عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے' اور اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ انہیں خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ ''دنیا جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں' لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں' ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں قاتل کو قتل کر دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ میں قتل نہ کروں گا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا۔ [2]

افک

افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے کا واقعہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے۔

غزوۂ احزاب

اوپر گزر چکا ہے کہ معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے لیکن پھر چند دنوں کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور ۵ ھ میں انہوں نے بنی نضیر' بنی قریظہ' قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کر کے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی' [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے' اتحادیوں نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا' کہ مسلمانوں پر کئی فاقے گزر گئے' ایک دن بے تاب ہو کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ کے پتھر دکھائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھایا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ [4]

---

[1] بخاری ج ۲، ص ۲۸۔ [2] طبری ص ۱۵۱۵۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۴۷' و فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱۔ [4] شمائل ترمذی۔

جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپ نے جماعت صحابہ کو خطاب فرمایا کہ "کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے" اس کے جواب میں صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی' اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا۔ چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے' جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار' جبیرہ' نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتاً کم چوڑی تھی' گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے' خندق کے پار پہنچ کر عمرو بن عبدود نے مبارزطلبی کی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا' [1] اس کے بعد ضرار اور جبیرہ ہمت کر کے آگے بڑھے لیکن پھر ڈر کے پیچھے ہٹ گئے' نوفل خندق میں گر پڑا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کود کر اس کو بھی ختم کر دیا' دن بھر لڑائی رہی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا' جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا' اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی اس لئے کہ دس ہزار کی فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا' اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں' عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے' قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوا دی' [2] کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نااتفاقی' موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے' چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر کہ سامان رسد ختم ہو چکا ہے' یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے' موسم ناخوشگوار ہے' ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے' محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا' قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا' [3] اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا' صرف ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ زخمی ہوئے جو زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور غزوۂ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے' اس جنگ کا نام غزوۂ خندق یا احزاب ہے۔

بنی قریظہ کا خاتمہ

بنی قریظہ نے معاہدہ کے خلاف جنگ احزاب میں شرکت کی تھی' اس میں شکست اور واپسی کے وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہاں لیتے گئے تھے۔ [4] اس لئے غزوۂ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف بڑھے' اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی' لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۹،۲۰۔ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۲۰'۲۱۔

[3] ابن سعد ج ۲ ق ۲ حالات خندق۔ [4] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۶ و طبری ج ۳ ص ۱۴۸۷۔

پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ 1 اس لئے آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا' ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا' آخر میں بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذ (جو ابھی زندہ تھے) جو فیصلہ کر دیں وہ ہم کو منظور ہے' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں' عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے۔ یہ فیصلہ توریت کے حکم کے مطابق تھا اس لئے یہودیوں کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ 2 اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی' جن میں دوران محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہیں' قتل کیے گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' آنحضرت ﷺ نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کیلئے زینب رضی اللہ عنہا کا عقد اپنے غلام اور متبنیٰ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن دونوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبھ سکی اس لئے زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ نے روکا مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی' اس لئے زید نے آخر میں طلاق دے دی' عرب میں متبنیٰ بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس خیال کو مٹانے اور زینب کی دلجوئی کیلئے خود ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ 3

پردہ کا حکم

اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اور بے باکانہ چلتی تھیں' اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر نکلیں، چلنے میں اٹکھیلیاں نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں' آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں' اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا۔ 4

---

1 طبری ص ۱۴۸۵۔ 2 طبری ص ۱۴۸۷ و ۱۴۹۲ توریت کا حکم یہ ہے کہ اگر دشمن صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا ان پر تجھ کو قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے' باقی بچے عورتیں' جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔ کتاب تثنیۃ الصحاح ۲۰ آیت ۱۰۔

3 اس کی تفصیل حدیث کی قریب قریب تمام کتابوں میں ہے۔ 4 یہ احکام سورۂ نور میں واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئے' تفصیل کیلئے دیکھو بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۲ و فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۶۔

عمرہ

چھ برس سے جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے انہوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا' اس لئے ذوالقعدہ ۶ ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی تھی کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے [1] اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے' صرف تلوار ساتھ ساتھ ہو' وہ بھی نیام کے اندر' ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں' قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو روکنے کیلئے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لئے جمع کیا اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کیلئے بھیجا' انہوں نے جا کر قریش کو خبر کر دی کہ مسلمان کراع غمیم تک پہنچ چکے ہیں' ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہرے۔

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان

قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا' اس کے رئیس بدیل نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے' آپ ﷺ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں' بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ [2] بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کر لیں اور اگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے' میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور اللہ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے' بدیل نے مکہ جا کر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا' ناآزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے' لیکن تجربہ کاروں نے آمادگی ظاہر کی' بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیام اور آپ ﷺ کے شرائط سنائے' یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا' محمد (ﷺ) نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں' مجھ کو اجازت دو' میں خود جا کر معاملہ طے کر آؤں' قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا" محمد (ﷺ)! فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۰۔ [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰۔

دیا ہو۔" عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گئے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی، وہ قریش کو سنائی۔

بیعت رضوان

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا، قریش نے ان کو قتل کر ڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے دو آدمیوں نے بچالیا [1] خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کیلئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کر لیا گیا' آنحضرت ﷺ نے درگزر سے کام لے کر اسے رہا فرما دیا' قریش کی مخالفانہ روش کے باوجود آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی اور دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ کو روک لیا' مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے' آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا' آپ ﷺ نے قصاص کیلئے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جانبازی کی بیعت لی۔ [2] اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی۔ اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے' اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا' ان میں اور مسلمانوں میں ردوقدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی:

① مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے لوٹ جائیں گے۔

② اگلے سال آئیں گے' اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

③ ہتھیار لگا کر نہ آئیں گے' صرف تلواریں ساتھ ہوں' وہ بھی نیام میں۔

④ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور جو مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے گا اسے قیام سے نہ روکیں گے۔

⑤ اہل مکہ میں یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائے گا۔

⑥ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے چاہیں ساتھ ہو جائیں۔

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰۔

[2] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب میں ان واقعات کی پوری تفصیل ہے۔

جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے' کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کی فرودگاہ پر پہنچ گئے' انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمد (ﷺ)! پابندیٔ عہد کا یہ پہلا موقع ہے' آپ ﷺ نے فرمایا معاہدہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے' سہیل نے کہا تو پھر ہمیں صلح منظور نہیں' آنحضرت ﷺ نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ نہ مانا' آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر ابوجندل کو حوالہ کر دیا' انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے' مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کرتے ہو؟ مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے' لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا' صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ [1]

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور سورہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ [۴۸/الفتح:۱] نازل ہوئی' کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی' صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے' اس کے بعد دونوں میں میل جول اور آمدورفت شروع ہوئی' ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا' اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا' چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ [2]

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلوخلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی' لیکن اللہ نے بلاشرط ان کے لیے راستہ کھول دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابوبصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے' قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے مطابق انہیں حوالہ کر دیا۔ راستہ میں ابوبصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا۔ اس کے عقب سے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا ''آپ ﷺ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا' اب آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو گئی'' یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے۔ اس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا۔ چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور جب ان کا اچھا خاصا جتھا بن گیا اس وقت انہوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' چھاپہ مارنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کی

---

[1] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب۔ [2] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب۔

تجارت خطرہ میں پڑ گئی۔ آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گزشتہ شرط سے باز آئے' جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے' اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے ۶ھ میں قیصر روم' کج کلاہ ایران' عزیز مصر' نجاشی شاہ حبش' رؤسائے یمامہ والی حدود شام' حارث غسانی' شرحبیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبی' عبداللہ بن حذافہ سہمی' عمرو بن امیہ ضمری' سلیط بن عمرو' شجاع بن وہب اور حارث بن عمیر رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوئی۔ قیصر روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے حاضر کیا جائے' اتفاق سے اس وقت ابوسفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے' موجود تھے۔ چنانچہ انہیں لے جا کر پیش کیا گیا۔ قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے متعلق چند سوالات کیے۔ ان میں جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے ابوسفیان نے صحیح جوابات دیئے۔ یہ جوابات سن کر قیصر کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس نے ابوسفیان سے کہا کہ ''اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت ﷺ) کا قبضہ ہو جائے گا' مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر (ﷺ) آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہو گا۔ اگر میں ان تک پہنچ سکتا تو ان کے قدم دھوتا۔'' قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دعوت سے محروم رہ گیا۔ [1]

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرز تحریر کے مطابق اللہ کے نام کے بعد اور مرسل الیہ کے نام سے پہلے' فرستندہ کا نام تھا' خسرو پرویز کج کلاہ ایران اس طرز تحریر سے آشنا نہ تھا' اس لیے اسے اپنی تحقیر سمجھ کر سخت برہم ہوا اور کہا ''میرا غلام مجھے یوں لکھتا ہے'' اور نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ ''عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیج دو''۔ اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر کہا کہ ''تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے۔ اگر اس کے حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالے گا''۔ شہنشاہ دو عالم ﷺ نے جواب دیا ''جا کر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔'' [2] ابھی یہ دونوں سفیر واپس

[1] یہ واقعہ بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے۔ [2] ابن سعد ج۔ اق اول' ص۔ ۱۱۶' طبری ج۔ ۳' ص۔ ۱۵۷۲۔

بھی نہ ہوئے تھے کہ خود خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔ مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا' میں نے آپ (ﷺ) کے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا' آپ کے لیے قبطی دو لڑکیاں' لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں۔ 1 شاہ حبش نجاشی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا اور اس کو آنکھوں سے لگا کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر جو ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئے تھے' اور اب تک وہیں مقیم تھے' اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں 2 شرحبیل والی بصریٰ نے آپ ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' اسی سنہ میں قریش کے نامور اشخاص خالد بن ولید فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے۔

غزوۂ خیبر ۷ھ

عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہود ابتدا ہی سے اسلام کے خلاف تھے۔ بنی نضیر نے خیبر جلاوطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو بھڑکانا شروع کیا' قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا' جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا۔ سلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا' بڑا با اثر تھا۔ اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ 3 آنحضرت ﷺ کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کے ایما پر ایک انصاری عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے خیبر جا کر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا۔ سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا' اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میرے پیشروؤں نے محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کی تھیں وہ غلط تھیں' خود محمد ﷺ کے دارالریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہیے۔ 4 چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کیا' آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا' انہوں نے بذات خود تحقیقات کر کے اس کی تصدیق کی' آنحضرت ﷺ نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور عبداللہ بن

---

1 طبقات ابن سعد ج۔ا' ق۔۲' ص۔ ۱۶' ۱۷۔
2 ابن سعد ج۔ا' ق اول' ص۱۰۔
3 طبقات ابن سعد ج۔ا' ق۔ اول' ص۶۶۔
4 زرقانی ج۲ ص۱۹۶۔

رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لئے بھیجا کہ مدینہ بلوا کر خیبر میں اس کی حکومت کی تصدیق فرماویں' چنانچہ اسیر عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا' راستہ میں اس کو بدگمانی پیدا ہوئی اس نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہمراہی مسلمان عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننا چاہی' عبداللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کر دیا' [1] اس کے قتل پر فریقین میں تلواریں نکل آئیں' اسیر کے سب ساتھی مارے گئے' صرف ایک زندہ بچا۔ یہودی پہلے سے تیاریاں کر رہے تھے' اسیر کے قتل سے انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے۔ سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ھ میں ذی قرد کی چراگاہ پر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی چرا کرتے تھے حملہ کر کے چند اونٹنیاں لے گئے' لیکن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صحابی نے جو بڑے تیرانداز تھے' اس کا تعاقب کر کے اونٹنیاں چھین لیں۔ [2]

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم ۷ھ میں سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے' مقام رجیع میں عورتوں اور باربرداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے' راستہ میں غطفان ہتھیار لگا کر نکلے' لیکن یہ دیکھ کر کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے' لوٹ گئے۔ [3] خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے' ان میں بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے' عرب کا نامور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا' مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیوں نے سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا' اور فوجیں نطاۃ اور قموص میں تھیں' اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا' لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ [4] اور چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہو گئے' سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا' مرحب اسی میں رہتا تھا' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس مہم پر مامور فرمایا' لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا' دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم مرحمت فرمایا' مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اسکے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ [5] اس معرکہ میں ۹۳ یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا' یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں' ہم اسکے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ٦٦۔　[2] بخاری غزوۂ ذی قرد۔　[3] طبری ص ١٥٧٥۔

[4] سیرت ابن ہشام غزوۂ خیبر۔　[5] بخاری غزوۂ خیبر و ابن سعد غزوۂ خیبر۔

نے منظور فرمالیا' جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے' وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو' یہودیوں پر اسکا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔ (1) اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑی تھیں' لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی' رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے' ان کے اعتراض پر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ (2)

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں' سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے بہت کم نوش فرمایا تھا' اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا' لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء رضی اللہ عنہ ہلاک ہو گئے' اس لئے آپ ﷺ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا۔ غزوۂ خیبر کے سلسلہ میں متعدد احکام جاری ہوئے' درندے' جانور' پنجہ والے پرندے' گدھا اور خچر حرام قرار پائے' لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبراء یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہوئی' چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

وادی القریٰ

خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے' یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے اور تیر برسا کر آنحضرت ﷺ کے غلام مدعم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' اس لئے جنگ ہوئی' لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی۔ (3)

ادائے عمرہ

اسی سال آنحضرت ﷺ عمرہ کیلئے مکہ تشریف لائے اور صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے' کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے' آنحضرت ﷺ تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ ''رمل'' کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی۔

غزوۂ موتہ ۸ھ

(1) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ و طبری ص ۱۵۸۹۔ (2) صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا و ابوداؤد باب ما جاء فی سہم الصفی۔ (3) بیہقی باب الجہاد ذکر غلول۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شرحبیل والیٔ بصریٰ نے قتل کر دیا تھا' آپ کو اس کا بہت صدمہ تھا' لیکن یہودیوں کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا' ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے انتقام کے لئے بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں' وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ' شرحبیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر دی' وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا' زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دینے کا قصد کیا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے روک دیا' کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے' چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا' اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا' لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا، زید رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے' ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا' انہوں نے بھی جام شہادت پیا' ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا' یہ بھی مرتبہ شہادت پر سرفراز ہوئے' سب سے آخر میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں علم آیا' یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سخت قلق ہوا' ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ [1]

فتح مکہ ۸ھ

اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے' آنحضرت ﷺ کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو' جو دنیا میں توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا' بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا' لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا' صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے' لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے' حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اسکے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہو گئے تھے مگر از روئے معاہدہ فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا' لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا' [2] بنی خزاعہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر آئے'

---

[1] بخاری غزوۂ موتہ و سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۴۔ [2] طبری ص ۱۶۲۰ و ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۷۔

آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں' ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ یہ شرطیں سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا ہم کو تیسری شرط منظور ہے۔ [1] لیکن پھر آنحضرت ﷺ کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی' انہوں نے ابوسفیان کو فوراً تجدید معاہدہ کیلئے مدینہ دوڑایا' لیکن اب آنحضرت ﷺ کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپ ﷺ کا ضروری فرض تھا' اسلئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی' ابوسفیان نے آپ ﷺ سے مایوس ہو کر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا' ان کے انکار کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا۔ [2]

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان ۸ ھ میں دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے' راستہ میں معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ قریب پہنچ کر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران میں مسلمانوں نے منزل کی اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے' قریش مسلمانوں کی روانگی کی خبر سن چکے تھے' انہوں نے تحقیقات کے لئے ابوسفیان' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا' یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے' ابوسفیان پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی' وہ اس کے رفیق تھے' اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے' لیکن خیمہ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر بھی پڑ گئی' وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ آڑے آئے اور آنحضرت ﷺ سے ابوسفیان کی جان بخشی کرا دی۔

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے' اسلام کی عداوت' مدینہ پر بار بار حملہ' قبائل عرب کا اشتعال' آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش' ان میں سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا' لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی' تمام گناہوں پر خط عفو پھیر دیا' پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر وضلالت پر قائم رہا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ڈرانے سے کلمہ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا۔ آستان نبوی ﷺ پر خم ہو گیا۔ [3]

---

[1] زرقانی ج ۲ ص ۳۳۶۔ [2] زرقانی ج ۲ ص ۳۳۷۔

[3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ فتح مکہ وابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

اس کے بعد افواج اسلامی کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھا' ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا' آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو افواج الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیج دیا' تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گزرتے تھے' ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہا جاتا تھا' سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے' جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کئے گئے تھے۔

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی' ان کو جانوں کے لالے پڑ گئے' لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے مکہ میں داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں اور مکہ میں داخلہ کے بعد اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے گا یا دروازہ بند کر دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا' وہ مامون ہے۔ [1] صرف چند خیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی جن میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ ''حرم کعبہ'' میں گئے' اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے' آنحضرت ﷺ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [۱۷/ الاسرآء:۸۱] [2] خاص خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے' سب نکال دیئے گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں' شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت بلال و طلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا فرمائی' اسکے بعد جابرانِ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا [3] جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا۔

''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا' ہاں آج تمام مفاخر' سارے انتقامات و خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا' تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے''۔

اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵' ۲۳۸ دوسری کتابوں میں ان کے علاوہ بعض اور صورتوں کو بھی امن و جان بخشی کا ذریعہ بنایا۔ [2] بخاری باب فتح مکہ۔ [3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [۴۹/الحجرات:۱۳]

''لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے' اللہ تعالیٰ جاننے والا اور واقف کار ہے۔''

((إِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ)) [1] ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔''

خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے' ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرکردہ تھے' وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے سامنے طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے' وہ بھی تھے جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے' وہ بھی تھے جنہوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا' وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا ''کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں'' اگرچہ یہ سرکش تھے' گمراہ تھے' اسلام کے دشمن تھے' لیکن مزاج شناس تھے' بول اٹھے ''اخ کریم و ابن اخ کریم'' تو شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہے فرمایا ((لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ)) [2] ''تم پر کوئی مواخذہ نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو'' چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دے دی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی' قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی' لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی' چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہو گئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا ''خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا میں باقی نہ رکھا۔'' [3] تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی' اس لئے صدہا پر غرور سرآستان اسلام پر خم ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے' اور کفار جوق در جوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نو مسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

---

[1] بخاری۔ [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲۔ [3] بخاری فتح مکہ باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا' اگرچہ فتح مکہ نے جبابرانِ قریش کی قوت توڑ دی تھی اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا' لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا' ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے' اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا' اس لئے دونوں قبیلوں کے اشراف نے جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے' مسلمانوں کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے' وہ اس میدان کے مرد نہ تھے اور قبل اس کے کہ وہ ہماری طرف رخ کریں' ہمیں بڑھ کر حملہ کر دینا چاہیے' اس قرارداد کے بعد وہ مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' [1] جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج میں قدم نہ اکھڑنے پائیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا' انہوں نے حنین جا کر خفیہ تحقیقات کیں تو واقعہ صحیح نکلا' اس لئے آنحضرت ﷺ شوال ۸ ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے' یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے' چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا' بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے' مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہیں ہوئی تھی' کہ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے' مشرکین کو موقع مل گیا' انہوں نے تیر بازی شروع کر دی۔ [2] مسلمانوں کی فوج میں بہت سے مکہ کے مؤلفۃ القلوب نومسلم بھی تھے' جو دل سے شریک نہیں تھے' انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا' [3] اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' اور وہ اس بری طرح سے منتشر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی صرف چند جان نثار باقی رہ گئے' لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ رہا اور انصار کو آواز دی' جواب میں آواز آئی ''ہم حاضر ہیں'' اس نازک حالت میں آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں' [4] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا' ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا'

[1] زرقانی ج ۳ ص ۶۔ [2] بخاری غزوۂ حنین۔

[3] طبری ج ۳ ص ۱۶۶۰ و بخاری غزوۃ النساء مع الرجال۔ [4] بخاری غزوۂ طائف ص ۶۲۱۔

کفاران کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے' بنی مالک نے استقلال دکھایا لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انہیں بھی میدان چھوڑ دینا پڑا' جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اوطاس

حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف میں جمع ہوئے۔ ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا' اس لئے حنین سے واپسی میں آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا' درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم اسلام پر قبضہ کر لیا' یہ حالت دیکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا اور علم واپس لے لیا۔ [1]

طائف کا محاصرہ

بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز تھی' طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا' اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا' اور اہل شہر سے مل کر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا۔ [2] اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا' اور خود طائف تشریف لے گئے' اور اس کا محاصرہ کر لیا' بیس دن محاصرہ قائم رہا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی اسلئے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔

تقسیم غنائم

طائف سے جعرانہ تشریف لائے' حنین کے مال غنیمت میں بیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے' جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارے میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا جب کوئی چھڑانے نہیں آیا' تو آپ ﷺ نے شرعی اصول کے مطابق کل مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو' جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے' عطا فرمایا' اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہو گئی اور انہوں نے غائبانہ کہا کہ قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم' جن کی تلواروں سے قریش کا خون

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹۔ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوۂ اوطاس۔

ٹپکتا ہے' محروم رکھے جاتے ہیں' بعضوں نے کہا مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت کے وقت دوسروں کو یاد کیا جاتا ہے۔ [1] آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا' انہوں نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا' ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے' کچھ لوگوں نے اقرار کیا' آپ ﷺ نے ان کا ملال خاطر دور کرنے کے لئے خطبہ دیا۔ ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی' تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا' تم مفلس تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا۔'' انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے'' اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ [2] آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ محمد (ﷺ)! جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی' جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا' اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی' تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی' تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا'' ہاں تم سچ کہتے ہو'' لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔'' یہ سحر آفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں' اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں' ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے۔ [3]

حنین کے مال غنیمت کے سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن (غالباً حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی شیما) بھی تھیں' یہ جب گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا' میں تمہارے پیغمبر کی رضاعی بہن ہوں' لوگ تصدیق کے لئے آپ ﷺ کے پاس لائے' شیماء نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپ ﷺ نے دانت سے کاٹا تھا' یہ اس کا نشان ہے' یہ سن کر فرط محبت میں آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی' لطف و محبت کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں عطا کیں اور ارشاد فرمایا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے' شیما نے گھر جانا پسند کیا' آپ ﷺ نے عزت و احترام کے ساتھ بھجوا دیا۔ [4] اسی سال آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا

---

[1] بخاری غزوۂ طائف۔ [2] بخاری غزوۂ طائف۔

[3] یہ واقعات بخاری میں مجمل اور فتح الباری میں بہ تفصیل ہیں۔ [4] طبقات ابن سعد و طبری ج ۳ ص ۱۶۲۸۔

ہوئے اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

غزوۂ تبوک

رجب ۹ ھ (۶۳۰ء) میں غزوۂ تبوک پیش آیا' تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے' یہ رومیوں کی حکومت میں تھا' روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے' شرحبیل والی بصریٰ بھی انہی سرداروں میں تھا، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا' اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا' اور رومی حکومت کے ماتحت حاکم تھا' اس مہم پر مامور کیا تھا' اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگروں نے جو مدینہ آیا کرتے تھے' اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے' [1] یہ بھی افواہ پھیل گئی کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔ چونکہ رومیوں کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسلئے ان خبروں کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ' جس میں دس ہزار سوار تھے' شام روانہ ہوئے' تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں' تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا' ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ میں کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک ردا عطا فرمائی' [2] جرباء اور اذرح کے عیسایوں نے بھی آ کر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی' دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا، اس کی جانب سے خطرہ تھا' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا' خالد نے اسے گرفتار کر لیا' اکیدر مصالحت کیلئے آمادہ ہو گیا' خالد نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے' بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے' یہیں اکیدر حاضر خدمت ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان نامہ عطا فرما کر واپس کر دیا۔ [3]

حج اور اعلان برأت

مکہ ۸ ھ میں فتح ہو چکا تھا' لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام میں حج ادا ہوا تھا' اس لئے

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۷۲۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۷۲۔ [3] یہ حالات ابن سعد اور طبری میں ہیں۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب نقابت [1] تفویض ہوا' قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے' اسلئے یہ پہلا موقع تھا' کہ جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور دور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں' مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی' قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا' نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے کیے ہیں ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔ [2] اسی سال زکوۃ کا حکم نازل ہوا اور تحصیل زکوۃ کے لئے عمال مقرر ہوئے۔ [3] اور سود حرام قرار پایا۔

مختلف اغراض کے لئے چھوٹے چھوٹے سرائے

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مختلف اوقات میں بکثرت چھوٹے چھوٹے مسلح دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے' انہیں اصطلاح میں ''سرایا'' کہا جاتا ہے' ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہیں' جو صحیح نہیں ہے' یہ دستے مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے' مثلاً:

① دشمنوں کی نقل و حرکت کی سراغ رسانی کے لئے

② دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے۔

③ امن وامان قائم کرنے کے لئے۔

④ اشاعت اسلام کے لئے انہیں تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں۔

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا' جسے آپ ﷺ نے ۲ھ میں مکہ کی طرف بھیجا تھا' اس میں صرف بارہ آدمی تھے' اور ایک خط دے کر ہدایت فرما دی تھی کہ دو دن بعد اسے کھولنا۔ دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا' کہ برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کے قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو' اور ان کی خبریں معلوم کرو۔ [4]

---

[1] بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریان۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج۲ ص۲۹۹۔

[3] زرقانی ج۳ ص۱۰۲۔ [4] طبری جلد۱ ص۱۲۷۴۔

(۲) دوسری قسم یعنی مدافعت کے سرایا میں سریہ غطفان ۳ھ اسکا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر میں حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے' اسلئے آپ ﷺ نے ایک مختصر جماعت مدافعت کیلئے روانہ فرمائی۔ ❶

سریہ ابو سلمہ ۲ھ طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ کے لئے' جن کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں' بھیجا گیا تھا۔ ❷ سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ' یہ سفیان بن خالد کے جتھے کو' جو مخالفانہ جمع ہوا تھا' منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا' ❸ غزوہ ذات الرقاع ۵ھ میں اس لئے ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ انمار و ثعلبہ کے قبیلے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے فوج جمع کر رہے ہیں' سریہ دومۃ الجندل ۵ھ میں اس لئے کیا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل میں ایک بڑا گروہ مدینہ پر حملہ کے لئے جمع ہوا ہے ❹ غزوۂ مریسیع ۵ھ کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے' رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی دعوت دی تھی ❺ سریہ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لئے' جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک میں جمع ہوئے تھے۔ ❻ روانہ کیا گیا تھا' ❼ سریہ بشیر بن سعد ۷ھ' اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص' یہ قضاعہ کے مقابلہ کے لئے' جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے' بھیجا گیا تھا۔ ❽

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا' قریش کا مایہ غرور ان کی تجارت تھی' اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی' تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دے دیں' یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے' چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی تو ان

---

❶ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۳۔
❷ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵۔
❸ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵۔
❹ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۴۔
❺ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۵۔
❻ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۴۔
❼ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۸۷۔
❽ طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۹۵۔

سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگر چہ ان سے مقصود صرف قریش کو دھمکانا تھا لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ وجدال کا سلسلہ برپا رہا' ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے' تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لیے جاتے تھے' اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ بدامنی کی خبر سن کر ان کے انسداد کے لئے سرایا روانہ فرماتے تھے' ان سرایا میں پہلا سریہ ۶ ھ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا' اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے' واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا' آنحضرت ﷺ نے ان لٹیروں کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا' جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ [1]

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۶ ھ' اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت ﷺ کے قاصد دحیہ کلبی کا' جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے' کل سامان چھین لیا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس کے بدلہ کے لئے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ [2] اس قسم کے سرایا عموماً خانہ بدوش اور پیشہ ور غارت گر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے' سریہ دومۃ الجندل بھی اسی قسم کا سریہ تھا۔ [3]

(۵) پانچویں قسم اشاعت اسلام کے سرایا' قبائل سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے' ان سب کے کانوں تک اسلام کی آواز پہنچانا' آنحضرت ﷺ کا فرض تھا' اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان میں مسلمانوں کی جماعتیں بھیجتے تھے' یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے' اور چونکہ بدامنی عام تھی اس لیے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے' کبھی کبھی ان میں اور مخالفین اسلام میں جنگ کی نوبت آ جاتی تھی' اس سلسلے کے بعض سرائے یہ ہیں:

سریہ بیر معونہ ۳ ھ' قبیلہ کلاب کے رئیس عامر بن مالک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے یہاں دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تھی' اس درخواست پر آپ ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی کی ماتحتی میں ستر (۷۰) قراء کی جماعت بھیجی' بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھوں شہید ہوئے' صرف ایک شخص بچ گیا' جس نے مدینہ آ کر اطلاع دی۔ [4] سریہ مرثد بن ابی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۵۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۳۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۴۔ [4] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۴' تا ۳۸۔

مرثد غنوی ۳ھ یہ دس مسلمانوں کی جماعت تھی' جو قبیلہ عکل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی' مقام رجیع میں بنی لحیان نے حملہ کر کے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا۔ [1] سریہ ابن ابی العوجاء ۷ھ' اس میں ابن ابی العوجاء کی ماتحتی میں پچاس مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے' بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیروں اور پتھروں سے دیا' مسلمانوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کیا لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے۔ [2] سریہ کعب بن عمروؓ / ۸ھ میں یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی' یہاں کے باشندوں نے بھی بنو سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل شہید ہوئے۔ [3]

اگر چہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے' لیکن انہیں خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیں گے' پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آ جاتے تھے' اگر یہ واقعات مسلمانوں کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پوری تلافی فرماتے تھے' فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی جذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرما دی کہ ''صرف اسلام کی دعوت دینا' جنگ مقصود نہیں ہے۔'' [4] لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے غلطی سے تلوار اٹھا دی اور بہت سے آدمی قتل ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا ''خدا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مقتولین حتی کہ کتوں تک کا خون بہا ادا کیا۔

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہیں' جو مختلف اطراف میں بت شکنی کے لئے بھیجے گئے' سارے عرب میں صنم کدوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا' ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا' اس لئے کوئی خطہ بت کدوں سے خالی نہ تھا' فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی' لیکن صدیوں کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلوں سے بتوں کی ہیبت نہ مٹی تھی' اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے' طائف کے باشندوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد فرما دی' اس وقت انہوں نے کہا' اچھا ہم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے' اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بت کدوں کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ کے صنم کدہ کو' سریہ

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۹' ۴۰۔ [2] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۸۹۔

[3] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۹۲۔ [4] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۰۶' ۱۰۷ و طبری ص ۱۶۵۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سواع کے بت خانے کو' سریہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ مناۃ کے صنم خانے کو' سریہ ابو سفیان ومغیرہ رضی اللہ عنہما لات کی پرستش گاہ کو' سریہ جریر رضی اللہ عنہ ذی الخلصہ کے مندر کو' سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو' سریہ علی بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ [1] اس کے علاوہ چھ ہجری میں سریہ عکاشہ بن محصن وسریہ علی بن ابی طالب' ۷ھ میں سریہ کعب بن عمرو' چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی خبر سن کر بھیجے گئے' اور سرایا بھی ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے' ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی میں مذکور ہیں۔

جنگ میں اسلام کی اصلاحات

ان غزوات وسرایا سے ظاہر بینوں کو یہ دھوکہ ہوا' یا وہ عمداً یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کا مقصد قتل وغارت گری اور اسلام کی جبری اشاعت تھا' حالانکہ یہ تمام لڑائیاں تبلیغ اسلام کی راہ میں کفار کی مزاحمت کی بنا پر پیش آئیں اور دوسری قوم کی لڑائیوں میں بڑا فرق ہے' خود عرب میں جنگ سفا کی اور درندگی کا نمونہ تھی' اس کا مقصد دوسروں کے ملک' زمین اور مال ومتاع پر قبضہ یا جذبہ انتقام کی تسکین ہوتی تھی اور لڑائی میں فریقین انسانیت کی حدود سے گزر جاتے تھے' اسیران جنگ جو مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالتے' بلکہ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے' غفلت کی حالت میں دفعتہً دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے' بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے' زندہ آدمیوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے۔ جذبہ انتقام میں مردہ لاشوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے' حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے' سرسبز کھیتوں کو اجاڑ ڈالتے' آبادیوں کو ویران کر ڈالتے۔

اسلام نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ اس کا حکم تک دیا ہے' لیکن اس کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا' اور مذکورہ بالا امور بلکہ تمام خلاف انسانیت باتوں سے روک دیا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی' [2] دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کا عرب میں عام دستور تھا' سختی سے روک دیا۔ [3] لڑائیوں میں عہد کی پابندی کی کوئی قیمت نہ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی عہد کی سخت تاکید فرمائی' خود قرآن میں اس کے صریح احکام ہیں' قاصدوں کے قتل اور ان کو

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول میں ان سب کے حالات ہیں۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین باب قتل الاسیر بالنبل۔

نقصان پہنچانے سے منع فرمایا' حتیٰ کہ ان قاصدوں سے بھی ناروا سلوک نہیں فرمایا' جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی کی۔ اسیران جنگ کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمادی' جنگ بدر کے قیدیوں کو جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ کیا تو تاکید کردی کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے' چنانچہ صحابہ خود کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے اور ان کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے' غزوۂ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو رہا کردیا اور ان کے پہننے کے لئے اسی قدر جوڑے مرحمت فرمائے۔ 1

اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ فوج کشی کے وقت جن جن مقامات اور راستوں سے فوجیں گزرتی تھیں' ان میں عام لوٹ مار کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا' ایک غزوۂ میں مسلمانوں کو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے دشواری پیش آگئی' اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا۔ مسلمانوں نے اسے لوٹ لیا اور بکریاں ذبح کر کے گوشت پکایا' آنحضرت ﷺ کو اسکی اطلاع ہوئی تو جا کر اپنے ہاتھوں سے پکتی ہوئی ہانڈیاں چولہے پر سے الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے۔ 2 ایک مرتبہ اور مسلمانوں نے کچھ تاخت وتاراج کی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عام منادی کرادی کہ جو شخص دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے گا یا غارت گری کرے گا' اس کا جہاد جہاد نہیں ہوگا۔ 3 مال غنیمت ہر قوم کے فاتحین کا جائز حق ہے اس لئے اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا لیکن اسکی حرص وطمع کو اور اسے جنگ کا مقصد قرار دینے کی نہ صرف ممانعت فرمائی' بلکہ حصول اجر وثواب کے منافی قرار دیا' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے' کوئی اظہار شجاعت کے لئے' ان میں سے کس کا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے' فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو۔ 4 خود قرآن پاک میں جن جن صورتوں میں جنگ کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا ہے اس کی رو سے اسلامی جہاد خدا شناسی اور کمزوروں پر ظلم وزیادتی اور ملک میں فتنہ وفساد کے استیصال کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ' روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کا قیام اور اس کی تحمید وتقدیس ہے' کلام مجید میں اس کی متعدد آیات ہیں' اس طرح اس نے جنگ کو جو صرف سفاکی وخون ریزی سے عبارت تھی عبادت بنادیا۔

---

1 تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق اول حالات غزوۂ بدر' حنین۔

2 ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النھی عن النھب اذا کان فی الطعام قلۃ۔

3 ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر من انضمام العسکر۔

4 بخاری کتاب الجہاد من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا۔

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوت اسلام

آنحضرت ﷺ کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت تھا' لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی' اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی' جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں' لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی' تاآنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا' اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ ابتدا میں تن تنہا اشخاص سے مل کر مجمعوں' میلوں اور قبائل میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اس راہ میں آپ ﷺ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں' اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے' اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی' اس فریضہ کی ادائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی' تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں' جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا' وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا' امرا اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے' ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا' لیکن بعثت نبوی ﷺ کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق موجود تھے' ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ۔ انہی متلاشیان حق میں سے تھے۔ [1] اس جماعت میں سے جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا' مثلاً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خود مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ [2] پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ بنو اسلم مسلمان ہوا۔ [3]

---

[1] طبقات کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات میں اس کی تفصیل ہے۔

[2] بخاری' ذکر اسلم وغفار۔ [3] مسلم باب اسلام ابی ذر۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو سالہا سال دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے اوراس سلسلہ میں انہوں نے پہلے عیسوی مذہب اختیار کیا' اس کے بعد اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے' بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ اسلام کا سبب بن جاتی تھی' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''صابی'' یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے اورلوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے' اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے۔قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے'ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون ہو گیا ہے' انہیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا' اس لئے ازراہ محبت و ہمدردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کے لئے پہنچے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں' ان کے سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے' پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [1]

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا' قبائل پر شعرا کا بڑا اثر تھا' اس لئے قریش نے عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی' لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سن لیا اور اسکے اثر سے مسلمان ہو گیا' اسکے قبیلہ پر اس کے اسلام کا اثر پڑا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [2] بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے حالات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے شوق میں آتے تھے اور نبوت کی پرتاثیر باتیں سن کر مسلمان ہو جاتے تھے' چنانچہ عمرو بن عنبسہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے حالات سن کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر آمادہ ہو گئے' لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے اس لئے واپس کر دیا کہ ''اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا''۔ چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے' اور ہجرت کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ [3] غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا' ۵ھ کے بعد جب غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے قریش' کنانہ' غطفان اور اسکے متحدہ قبائل کو شکست دی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا' اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے' لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی' وفود بھیجنے شروع کئے۔ چنانچہ قبیلہ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آ کر مشرف

---

[1] مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ۔ [2] زرقانی و مسلم کتاب الایمان و بخاری و باب قصہ دوس۔
[3] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہا۔

باسلام ہوئے۔ ❶

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان معاہدہ ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' پھر صلح کے بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ ❷

قبیلہ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا' وہ بھی آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گیا اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا۔ ❸

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی' صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کا موقع ملا' اس وقت مسلمانوں کے اخلاق وعمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے' طبری کا بیان ہے کہ ''کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا' جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو' جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے' صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔'' ❹ پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی' فتح مکہ کے بعد ہر طرف لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے' اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے' اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں' فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور قریش کی قوت ختم ہو گئی' اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔ بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) کو ان کی قوم قریش پر چھوڑ دو' اگر محمد (ﷺ) ان پر غالب آ گئے' تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر (ﷺ) ہیں۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔ ❺ فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی' دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور آپ ﷺ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے۔ ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ	قبیلہ ہمدان' جذیمہ اور مذحج
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	اطراف مکہ

---

❶ طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ص ۳۸۔
❷ طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ص ۴۸۔
❸ اصابہ تذکرہ بشر بن عرفطہ ج اول ص ۱۵۳۔
❹ طبری ص ۱۵۵۱۔
❺ بخاری باب فتح مکہ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	بحرین
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	عمان
حضرت دبر بن یحنس رضی اللہ عنہ	ابنائے فارس
حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز تھا۔ حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں' ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا' لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا' ۸ھ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا' یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے' لیکن کامیاب نہ ہوئے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس بلا لیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ بھیجا' آپ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [1] یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی' انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مدافعت کی' اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے' باقی بھاگ نکلے' اس کے بعد خود روسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی دعوت اسلام کے لئے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے۔ [3]

نجران میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا' ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [4]

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا' یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے' ان میں عبدالقیس' بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے' عبدالقیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے' آپ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا' وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا' لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی' انہوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا' اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۲۳۔ [2] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۲۲۔ [3] بخاری کتاب المغازی۔ [4] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔

قبول کر لیا۔ (1) ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا' اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا' اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ (2) بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سلیخت آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لایا۔ (3) عمان میں قبیلہ ازد تھا۔ عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا' اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے۔ (4)

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے۔ جنہوں نے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی' لیکن ان سب کا استقصا مقصود نہیں ہے۔ مبلغین کے علاوہ بعض آدمیوں نے دور دراز مقامات سے آ کر خود اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کی' ان میں سے بعضوں کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں' ان میں طفیل بن عمرو دوسی' عروہ بن مسعود ثقفی' عامر بن شہر ہمدانی' ضمام بن ثعلبہ سعدی' منقذ بن حبان اور ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہم کے نام لائق ذکر ہیں۔ عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے' وہاں زکوٰۃ' عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے' وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے' ان میں سے بعضوں کے نام یہ ہیں:

مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	عامل صنعاء یمن
زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	عامل حضر موت
خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	عامل صنعاء یمن
عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	قبیلہ طے (اور ان کا وطن بھی یمن تھا)
علاء حضرمی رضی اللہ عنہ	عامل بحرین
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	عامل زبید و عدن
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	عامل جند
جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	ذوالکلاع حمیری

وفود

(1) زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔　(2) زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔

(3) فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین۔　(4) فتوح البلدان بلاذری ذکر عمان

آنحضرت ﷺ کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا' اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا' یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے' پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے۔ یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے' اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے' یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے سوا باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے' ان میں بعض کے نام یہ ہیں:۔

مزنیہ' اسد' تمیم' عبس' فزارہ' مرہ' ثعلبہ' محارب' سعد بن بکر' کلاب' عقیل بن کعب' بنی بکا' کنانہ' اشجع' باہلہ' سلیم' ہلال بن عامر' عامر بن صعصعہ' ثقیف' ربیعہ' عبدقیس' بکر ابن وائل' ثعلب' حنیفہ' شیبان' طے' مراد' زبید' کندہ' صدف' سعد ہذیل' بلی' بہرا' عذرہ' سلامان' جہینہ' کلب' جرم' ازد' غسان' حارث بن کعب' ہمدان' نخع' بجیلہ' خثعم' اشعریین' ازد' دوس' اسلم' جذام' مہرہ اور حمیر وغیرہ۔

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے' ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ [1] غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم

دنیا کے بیشتر مذاہب میں مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے خاندان اور طبقات مخصوص ہیں' یہودیوں میں اس خدمت کے لئے ایک مخصوص خاندان تھا' اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا' عیسائیوں میں اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو اپنے لیے خاص کر لیا تھا' ہندوؤں میں برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں' دوسری قوموں میں بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ لیکن اسلام میں ہر مسلمان داعی مذہب' مبلغ' معلم' واعظ اور محتسب ہے' مگر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے بغیر یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا سکتا اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہیں مل سکتا' اس لئے ضرورت تھی کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہ کر اس طرح اسلامی رنگ میں ڈوب جائے کہ اس کی گفتار' کردار' نشست و برخاست' قول و عمل ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بن جائے۔

آنحضرت ﷺ نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے، ایک غیر مستقل' جس میں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج اول ق ۲ حالات وفود۔

عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آ کر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی امور دریافت کر کے دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔ 1 اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث وطبقات کی کتابوں میں بکثرت ہیں۔ انہیں چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبیلوں میں واپس بھیج دیتے تھے' چنانچہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی سفارت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ ''اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے' اسی طرح نماز پڑھو۔'' 2 دوسرا طریقہ مستقل درس وتعلیم کا تھا' اور اس کے لئے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی' اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے' جو علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دینی تعلیم اور عبادت وریاضت کے لئے وقف کر دیتے تھے' اس درس گاہ میں دو حلقے تھے' ایک درس وتعلیم کا اور دوسرا ذکر وفکر اور عبادت وریاضت کا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانۂ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے' ایک حلقہ کے لوگ تلاوت ودعا میں مصروف تھے' اور دوسرے حلقہ کے تعلیم وتعلم میں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو تحسین فرمائی اور خود ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں' درس وتعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ 3 صفہ کی درس گاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی' ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی۔ 4 ان کا سارا وقت درس وتعلیم میں گزرتا تھا' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے' اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔ 5

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے' کا بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے' اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں' میں محتاج آدمی تھا' میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرتا تھا' اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے' میں موجود رہتا تھا' اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے' میں محفوظ رکھتا تھا۔ 6

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پر مشقت اور پر محن تھی' کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا' پہننے کے لئے

---

1 تفسیر خازن' تفسیر آیت ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً﴾ [۹/التوبہ:۱۲۲] 2 بخاری باب رحمتہ البہائم۔ 3 سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء و بحث علی طلب العلم۔ 4 ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم۔ 5 مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷۔ 6 مسلم فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صرف ایک کپڑا ہوتا تھا' جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ 1 فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ضعف سے نماز میں گر پڑتے' بدو دیکھتے تو کہتے کہ پاگل ہیں۔ 2 ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ 3 اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا' یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے' چنانچہ قبیلہ عرینہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر (۷۰) قراء کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے' جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ 4 عہد نبوی میں ان قراء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو گئی تھی' چنانچہ یمامہ کی جنگ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی ستر حفاظ شہید ہوئے۔ 5

تعمیر مساجد

اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا' اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا' عبادت و ریاضت کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز تھی' جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے' اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی۔ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا' تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی' بڑی بڑی آبادیوں میں ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آ جاتی تھی' چنانچہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں' جن میں علیحدہ علیحدہ نماز ہوتی تھی' ان کے نام یہ ہیں' مسجد بنی عمرو' مسجد بنی ساعدہ' مسجد بنی عبید' مسجد بنی سلمہ' مسجد بنی رائح' مسجد زریق' مسجد بنی غفار' مسجد بنی اسلم' مسجد بنی جہینہ۔ ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں:

مسجد بنی حذرہ' مسجد بنی امیہ' (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ' مسجد بنی الحبلی' مسجد بنی عصیہ' مسجد ابی فیصلی' مسجد بنی دینار' مسجد ابی بن کعب' مسجد النابغہ' مسجد بنی عدی' مسجد بنی حارث بن خزرج' مسجد بنی حطمہ' مسجد بنی حارثہ' مسجد بنی ظفر' مسجد بنی عبد الاشہل' مسجد واقم' مسجد بنی معاویہ' مسجد عاتکہ' مسجد بنی قریظہ' مسجد بنی وائل' مسجد الشجرہ۔ 6 غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عرب کے

---

1 ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جماع اثواب ما یصلی فیہ۔ 2 ترمذی ابواب الزہد۔
3 مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔ 4 مسلم کتاب الامارۃ ثبوت الجنۃ للشہید۔
5 بخاری ج ۲ ص ۵۸۵۔ 6 عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸۔

گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا' جہاں ہر روز پانچ وقت اسکا نام لیا جاتا تھا۔

ائمہ نماز

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرمائے' معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا' اور اس میں آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا۔ غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے' ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے' حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی امامت کرتے تھے' آپ ﷺ نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول فرمایا تھا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو' اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو' اگر اس میں برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ [1]

جن جن مقاموں پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے' عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے۔ [2] بعض مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے۔ سیرت کی کتابوں میں عہد نبوی ﷺ کے اماموں کے ناموں کی نام بہ نام تفصیل نہیں ملتی' مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل اماموں کا پتہ چلتا ہے۔

☆ حضرت معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں انصار کی امامت کرتے تھے۔

☆ حضرت سالم رضی اللہ عنہ (حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مہاجرین مدینہ کی امامت کرتے تھے۔

☆ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے موذن تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

☆ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں مدینہ میں امامت کی خدمت انجام دی تھی۔

☆ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بنی سالم اپنے قبیلے کے امام تھے۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنی سلمہ کے امام تھے۔

☆ ایک انصاری رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔

---

[1] مسلم۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸۔

☆ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنی جرم کے امام تھے۔
☆ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ بھی بنی جرم کے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔
☆ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ آپ بھی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔
☆ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ آپ مکہ میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ آپ طائف میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ آپ عمان کے امام تھے۔

مؤذنین

غالباً اذان کی خدمت کیلئے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا' تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے:

☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ بھی مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ آپ حوالی مدینہ مسجد قبا کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت ابومحذورہ صحی رضی اللہ عنہ (ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں) آپ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے مؤذن تھے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے۔

تاسیس حکومت الٰہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید' اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیام امن کیلئے ضروری تھے' اسلام دنیا میں شہنشاہی قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا' جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا' اس قانون کے تحفظ' نفاذ اور قیام امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی' اس لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ

خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی' یہ کوئی شہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظام حکومت تھا' وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آجاتی تھیں' ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا۔ اگرچہ ذات اقدس ﷺ جملہ مذہبی و انتظامی امور کا مرجع تھی' لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہوسکتی تھی' اسلئے آپ نے مختلف شعبے قائم کر کے انہیں اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمادیا تھا' وہ سادہ نظام حکومت یہ تھا:

فوج اور امیر العسکری

چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لئے نہیں آیا تھا اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی' مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سربکف نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس قیادت فرماتے تھے' بدر' احد' خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ ہی امیر العسکر تھے' ان معرکوں کا مقصد خون ریزی اور فتح نہ تھا بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول آئین جنگ کی تاسیس بھی تھا۔ مجاہدین اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپ ﷺ نے گرفت فرمائی اسکی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم امیر العسکر ہوتے تھے۔ جن کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

افتا

افتا کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ

مدینہ اور حوالی کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا' بعضوں کے نام آئندہ آئیں گے۔

کاتب

آپ ﷺ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے' قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے'

مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے' اس لیے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا' اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا' لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اور آخر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔ ان کے علاوہ مراسلات کی تحریر کی خدمت اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سرانجام دیتے تھے۔

احتساب

یعنی قوم کے اخلاق و عادات' بیع و شرا اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھا لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑ گئی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے' لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے' تجارت میں آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا' جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اسکو خود اسی جگہ بیچ دیں۔ [1] کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لے جاتے تھے' ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا' اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی' دکاندار سے پوچھا' اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے' فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آتا' جو لوگ فریب دیتے ہیں' وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ [2]

عمال کا جائزہ

فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے' چنانچہ جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا' ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللتبیہ رضی اللہ عنہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے' جائزہ لیا' انہوں نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا' اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ [3]

حکام اور ولاۃ

مقدمات کا فیصلہ' اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے' ان

---

[1] بخاری کتاب البیوع۔ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۲۔

[3] بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۶۸۔

حکام اوران کے مقاموں کے نام یہ ہیں:

حضرت باذان رضی اللہ عنہ بن ساسان بہرام گور کے خاندان سے تھے' سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ سلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔

حضرت شہر بن باذان رضی اللہ عنہ باذان بن ساسان کے بعد صنعاء کے والی مقرر رہوئے۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے۔

حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ	والی حضرموت
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	والی جند
حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	والی نجران
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	والی تیماء
حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	والی مکہ
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	متولی اخماس یمن
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	والی عمان
حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ	والی بحرین

محصلین

اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات وزکوۃ خود لاکر پیش کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی' اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوۃ کے محصل مقرر فرمائے' عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا' ان کے نام یہ ہیں:

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے و بنی اسد	حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ
حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ	بنی عمرو	ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	بنو لیث
ایک ہذیمی رضی اللہ عنہ	بنی ہذیم	حضرت عبداللہ بن اللتبیہ رضی اللہ عنہ	بنو ذبیان
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	مدینہ	ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	نجران

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	غفار واسلم	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	شہر خیبر
حضرت عباد بن بشر الاشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم ومزینہ	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضر موت
حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	بنو سعد	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
		ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	بنو سعد	ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	بحرین
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	بنو فزارہ	عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	تیماء
حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ	بنو کلاب	محمید بن جرز رضی اللہ عنہ	تحصیل خمس
حضرت بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ	بنو کعب	عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	بنو تمیم

یہ محصلین قوانین صدقات وزکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے' ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا' جس میں یہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے' چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی' ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا' اس ضرورت کی تصریح آپ ﷺ نے خود ان الفاظ میں فرما دی تھی کہ ''جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو اپنی بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا' اگر گھر نہ ہو تو مکان کا اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا تو وہ خائن ہے۔'' [1]

محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف

عہد نبوی ﷺ میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں' غنیمت' فے' زکوٰۃ' جزیہ اور خراج۔

غنیمت

یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا' یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی' اس کو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے' یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے۔ لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ ﷺ خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے' سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے اور پیدل کو ایک۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے' [2] خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ' یتامیٰ' مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

زکوٰۃ

[1] ابوداؤد ج ۲ باب ارزاق العمال۔ [2] ابوداؤد حکم ارض خیبر۔

صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی' نقد روپیہ' پھل پیداوار' مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب وسامان تجارت۔ [1]

دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی' پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا' مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے' پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ۔ [2]

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کر دی ہے فقراو مساکین' نومسلم' وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو' مقروض' مسافر' محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں اور دوسرے کار خیر' زکوٰۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی' عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

جزیہ

غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا' اس کی تعداد متعین نہ تھی' آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا' بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے۔

خراج

غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے' خیبر' فدک' وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی' جو کچھ وصول ہو کر آتا: آنحضرت ﷺ اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے' ان سب کے نام رجسٹر میں درج تھے اہل وعیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔ [3]

شریعت کی تاسیس وتکمیل

تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ اپنے پیروؤں کے تزکیہ اخلاق اور ان کی اخروی فوز وفلاح کے ساتھ ان کی جملہ دنیاوی

---

[1] ابوداؤد حلم ارض خیبر کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ۔

[2] ترمذی کتاب الزکوٰۃ وبخاری جلد اول ص ۲۰۱۔ [3] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفی۔

ضروریات کا بھی کفیل ہے اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کے دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصولی ضابطہ موجود ہے۔ اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی ﷺ سے ہوا اور اختتام آپ ﷺ کی وفات پر' یعنی کامل تیئیس (۲۳) سال کی مدت میں حسب ضرورت بتدریج مکمل ہوتا رہا' اس کی چار شاخیں ہیں: عقائد' عبادات' معاملات' اور عام اخلاق۔ ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات' اللہ اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور دو یعنی معاملات و اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں' عقائد میں توحید' رسالت' ملائکہ قیامت اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان' عبادات میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات' وراثت' وصیت' نکاح و طلاق' حدود' تعزیرات' تجارت اور لین دین وغیرہ' یعنی مسلمانوں کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد' اخلاق' انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض۔ کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصولی احکام موجود ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونہ عمل بنا دی' اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے۔

حجۃ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا' اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی' اسلام کے عقائد' اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہو چکی' حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی راہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی' اس وقت یہ حکم نازل ہوا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا﴾[۱۰۹/ النصر: ۱تا۳]

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اس سے آنحضرت ﷺ کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اپنا کام ختم کر

چکے اور دنیا میں آپ ﷺ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام' اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا' اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا اور ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ کو آپ ﷺ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے' تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا' اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے' دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی' انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا' آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تھے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔ مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا' دوسرے دن غسل فرما کر مکہ میں داخل ہوئے' کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا ''اے اللہ تعالیٰ! اس گھر کو اور زیادہ شرف وعزت دے''۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام میں دوگانہ ادا کیا' پھر کوہ صفا پر تشرف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں' اس کے لئے سلطنت' ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے' کوئی اللہ نہیں مگر وہ اکیلا' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی'' [1] پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے' عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا' پنج شنبہ کے دن (آٹھویں تاریخ) منیٰ میں قیام فرمایا۔

خطبۃ الوداع

نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور ومعروف خطبہ دیا' جو تاریخ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے' یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے' یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیئے گئے' چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا ''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں'' [2]

مخلوق الٰہی طبقات ومراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی' غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے' شرفا ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے' عامی علما کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے' آپ ﷺ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا:

[1] ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔ [2] ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

"لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے' ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔" ❶

"اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباء واجداد پر فخر کو مٹا دیا' انسان اللہ سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی' تم سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔" ❷

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" ❸

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔

"تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ"۔

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل و مقتول کے قبائل میں پشت ہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سینکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا۔

"جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔" ❹

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا' سرمایہ دار غربا کا خون چوستے تھے' ہر مقروض اپنے قرض خواہ کا غلام تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دام کا' خلق اللہ جس کا صید زبوں تھی' تار تار الگ کر دیا اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود باطل کیا۔

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے' اور سب سے پہلے اپنے (خاندان کے عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں" ❺

---

❶ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۳۔ ❷ ابوداؤد کتاب الادب باب التفاخر بالانساب۔

❸ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳' ابن سعد حصہ سیرت حالات حجۃ الوداع۔

❹ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی وابوداؤد کتاب الحج باب حجۃ النبی۔

❺ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا۔

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا۔ ان کی حیثیت ملک و جائیداد سے زیادہ نہ تھی' ان کو حقوق میں مساوات عطا ہوئی۔

''عورتوں کے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔'' 1

''تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔'' 2

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی' جس کو جو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا' چھین لیتا تھا' اور ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی۔

''تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔'' 3

پھر آپ ﷺ نے امت کی راہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی ''میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں' اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ'' (یہ ٹکڑا صحاح کی تقریباً کل کتابوں میں ہے) اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرما دیئے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا' اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے' لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو' زناکار کے لئے پتھر ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی جائے' عطیہ لوٹایا جائے' ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔'' 4

یہ احکام بیان فرما کر مجمع سے سوال کیا:

''تم سے اللہ میری نسبت پوچھے گا' تو تم کیا جواب دو گے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا''۔

آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا:

''اے اللہ تعالیٰ! تو گواہ رہنا' اے اللہ! تو گواہ رہنا اے اللہ! تو گواہ رہنا'' 5

---

1 ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔ 2 طبری و ابن ہشام۔

3 باب حجۃ الوداع و مسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

4 یہ احکام سنن ابن ماجہ باب الوصایا اور ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصر ہیں اور ابن سعد اور ابن ہشام میں تصریح ہے کہ عرفہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ 5 مسلم و ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

عین اس وقت جب آپ ﷺ نبوت کے آخری فرائض ادا فرما رہے تھے' یہ آیت نازل ہوئی۔ ❶

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [۵/المائدۃ:۳]

''آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کا انتخاب کیا۔''

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے' آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے روانہ ہوئے' مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز ادا فرمائی' رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں سائلین' حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے' آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے' جمرہ پہنچ کر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔'' ❷

اسی دوران یہ بھی فرمایا:

''حج کے مسائل سیکھ لو' میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے''۔ ❸

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کیے ہوئے تھے' آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات ونتائج نگاہوں کے سامنے تھے' زمین سے آسمان تک قبول حق واعتراف حق کا نور برس رہا تھا' اب ایک نئی شریعت' نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا' اس لیے ارشاد فرمایا:

''ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آ گیا''۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی

---

❶ بخاری ومسلم اور ابوداؤد کے مختلف ابواب میں اس کی تصریح ہے۔

❷ سنن نسائی کتاب المناسک باب التقاط الحصی۔

❸ مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر راکبا۔

ترمیمیں کردی تھیں، حج کے مہینوں میں خون ریزی حرام ہے اس لیے جنگجو عرب اس کے جواز کیلئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل وصورت میں آ رہا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا!

''سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین متواتر، ذوقعدہ، ذوالحجہ اورمحرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ ہے، جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔''

دنیا میں عدل وانصاف اور امن وامان کا مدار تین چیزوں پر ہے، جان، مال اور آبرو کی حفاظت، آنحضرت ﷺ ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے زیادہ تاکید کی ضرورت تھی، اس لیے دوبارہ آپ ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہوکر پوچھا:

''کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک۔ پھر ارشاد ہوا یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے، پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ ﷺ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے۔''

اس طریق استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہوگیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب محترم ہے، یعنی اس دن اس مقام پر جنگ وخون ریزی جائز نہیں تو فرمایا:

''تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔'' [1]

قوموں کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے، اسلئے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے دوام وثبات کے لئے فرمایا!

''ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔'' [2]

---

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۹۔ [2] فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۹۔

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا' اور اصلی مجرم کے فرار ہو جانے کی صورت میں باپ کے عوض میں بیٹے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا' اس ظلم کی ان الفاظ میں بیخ کنی فرمائی گئی!

''ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے' ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔'' [1]

قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا' چنانچہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے انہیں انقیاد و طاعت کی تعلیم دی:

''اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔'' [2]

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا' کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا' تمام مخالف قوتیں پامال ہو چکی تھیں' اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

''ہاں شیطان' اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔'' [3]

خطبہ کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے:

''اپنے پروردگار کو پوجو' پانچوں وقت نماز پڑھو' مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' [4]

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا:

اَلا ھَلْ بَلَّغْتُ

''کیوں! میں نے پیغام خداوندی سنایا؟''

سب نے جواب دیا ''ہاں'' فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ

---

[1] ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر۔ [2] مسلم جلد ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ۔ [3] ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر۔
[4] مستدرک حاکم ج اول کتاب المناسک باب خطبۃ النبی ﷺ فی حجۃ الوداع۔

''اے اللہ تو گواہ رہنا!''

پھر لوگوں سے فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب

''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔''

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ [1] اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسک حج ادا فرمائے' ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام رہا' ۱۳ ذی الحجہ کو یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام فرمایا' پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے' اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی' نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں مقام خم غدیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

''حمد و ثنا کے بعد' اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے (موت) قبول کرنا پڑے' میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔'' [2]

وفات

جزیرۃ العرب کے کفر و شرک کے استیصال' اسلام کی اشاعت' شریعت و مکارم اخلاق کی تعلیم' حجۃ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [۵/ المائدۃ:۳] کی تصدیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا' اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے حجۃ الوداع ہی میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب و گل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے' زیادہ وقت تسبیح و تہلیل میں بسر ہونے لگا۔ شہدا میں شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی' اس کا آنحضرت ﷺ کے دل پر بڑا اثر تھا' اس لیے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبروں پر تشریف لے گئے' اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم ج اول کتاب الحج باب حجۃ الوداع۔ [2] مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ۔

[3] بخاری کتاب الجنائز۔

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا' جس میں فرمایا!

''میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے' مجھ کو اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت و خون نہ کرو اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔'' [1]

اوپر غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے شہید کر دیا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جلد اس طرف جائیں اور اپنے والد کے خون کا انتقام لیں۔

''۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے گور غریباں جنت البقیع تشریف لے گئے' وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا' بیماری کی حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم از راہ عدل باری باری سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں بسر فرماتے تھے' جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام فرمایا۔ جب تک چلنے کی طاقت رہی' نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے' آخری نماز مغرب کی پڑھائی' بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر اور عشاء کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا' مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غش آ گیا' اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حکم دیا' اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ [2]

واقعہ قرطاس

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ' میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں' جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے' اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا' بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے' بعض حضرات حضرت

[1] مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ۔

[2] بخاری کتاب الصلوۃ باب الامامۃ وابن سعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں تھے‘ اس اختلاف پر جب شور وغل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض کی شدت میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر پوچھ لو‘ دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو‘ میں جس مقام میں ہوں‘ وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ [1]

یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکہ آراء مبحث بن گیا ہے‘ شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے‘ جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا‘ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی مرض کی شدت تھی‘ دین مکمل ہو چکا تھا‘ شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا‘ خود قرآن نے ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [۵/المائدۃ:۳] کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی‘ ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرض کی شدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا‘ اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے‘ پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے‘ مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا‘ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا سکتے تھے‘ یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے‘ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہوں‘ بخاری میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے‘ لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اور اہل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے‘ پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں‘ ((دَعُوْنِي فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِي اِلَيْهِ)) یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو‘ جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے‘ لیکن پھر لکھوانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند وصیتیں فرمائیں:

''کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے‘ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا جاتا ہے‘ تیسری راوی کو یاد نہیں رہی۔'' [2]

---

[1] قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس له شئی یوصی فیه میں موجود ہے۔

[2] بخاری باب وفات النبی‘ مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ۔

اس دن نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا' تو غسل فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے' جماعت کھڑی ہو چکی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ [1]

نماز کے بعد خطبہ دیا' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری خطبہ تھا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو انعامات ہیں ان کو لے' اس نے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں' سب سے زیادہ میں جس کی دولت و صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر ہیں' اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے' ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے' دیکھو تم ایسا نہ کرنا' میں تم کو منع کرتا ہوں۔'' [2]

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوت بازو تھے فرمایا!

''ایھا الناس! میں تم کو انصار کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں' عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک' وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے' اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہیے وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں' جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو' اس کو چاہیے کہ ان میں سے جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کر دے۔ [3] (اوپر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے' بعض لوگوں کی روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ منافق تھے' جن کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا' اس اعتراض کے متعلق فرمایا) اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو' اللہ تعالیٰ کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا' اور مجھے سب سے

---

[1] بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر من مرض و سفر و غیرھما من یصلی بالناس الخ۔

[2] بخاری و مسلم مناقب ابی بکر، مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب النھی عن بناء المسجد علی القبور۔

[3] بخاری جلد اول مناقب انصار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبلوا من محسنھم و تجاوزوا عن مسیئھم.

زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔" [1]

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہیں' آنحضرت ﷺ کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول و فعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دیں' دوسرے مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعیین میں افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا' اس لئے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا:

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے' میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے"۔ [2]

سارے الہامی مذاہب میں انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے۔ بعض مذاہب کے پیروؤں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا۔ مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے پیغمبر اللہ کی بیٹی فاطمہ اور اے پیغمبر اللہ کی پھوپھی صفیہ! اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کر لو' میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔" [3]

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے' متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا' یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی سے مل جاتی تھی' مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا:

"یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔" [4]

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی' دنیا اور اس کے سامانوں سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان کے متعلق دریافت فرمایا۔

---

[1] بخاری مناقب زید بن حارثہ کتاب المغازی باب بعثت اسامہ رضی اللہ عنہ۔

[2] مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ وابن سعد وفات النبی ﷺ۔

[3] مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ وابن سعد وفات النبی ﷺ۔

[4] بخاری باب وفات نبوی ﷺ ومسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔

''عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کر دو۔'' [1]

مرض کی حالت یکساں نہ تھی' کبھی شدت ہو جاتی تھی' کبھی افاقہ نظر آتا تھا' وفات کے دن یعنی دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا' پردہ اٹھا کر دیکھا' لوگ نماز فجر میں مشغول تھے' یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا' دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا' بار بار غشی ہونے لگی۔ اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے:

((اُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی)) [2]

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا رفیق ہے۔''

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی' اور زبان مبارک سے نکلا:

((اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ))

''نماز اور غلام''

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے' اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا!

((بَلِ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی))

''اب کوئی اور نہیں' پس وہی رفیق اعلیٰ درکار ہے۔''

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استقلال

اس حادثہ عظیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شدت الم اور فرط محبت وعقیدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہ آتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے' جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا' وفات کے دن صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھی' چلے گئے تھے' وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ وابن سعد حالات وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] ۴/ النساء: ۶۹۔

مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا' آپ ﷺ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا!

"میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں! اللہ تعالیٰ کی قسم آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ موت جو آپ ﷺ کیلئے مقدر تھی آ چکی۔ اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔" [1]

یہ بڑا نازک وقت تھا' اگر محرم اسرار نبوت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے' آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" انہوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی' تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی:

"جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ مر گئے اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ [۳/آل عمران:۱۴۴]

"محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔"

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ [2]

تجہیز و تکفین

وفات کے دن شام ہو چکی تھی' تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم علیحدہ بے خود و مبہوت ہو رہے تھے' اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی' غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص حضرت علی' فضل بن عباس' قثم بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آئی' حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر مبارک کھودی اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول مطابق ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کر دی۔

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت۔

[2] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت۔

متروکات

شہنشاہ کونین ﷺ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی' ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم و دینار' نہ غلام نہ لونڈی' نہ اور کچھ' صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین' جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی ❷ بہرحال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں' اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے ''ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔'' ❸

عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد مدینہ' خیبر اور فدک کے چند باغات ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے متروکات میں صرف یہی جائیداد وزمین تھی۔ مدینہ کی جائیداد میں ایک بنی نضیر کی جائیداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیرّق نام ایک یہودی نے آپ ﷺ کو وصیۃً ہبہ کیے تھے' لیکن صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیے تھے۔ ❹

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ جائیداد بطور تولیت کے آپ ﷺ کے پاس تھی۔ دوسری جماعت اسے رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور قابل میراث جائیداد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر ازواج رضی اللہ عنہن اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ وقف عام ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اس کی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے' اس میں تغیر نہ ہوگا۔ ❺ آپ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائیدادوں کے مصارف متعین فرما دیے تھے۔ بنو نضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی

---

❶ بخاری کتاب الوصایا وقال اللہ عزوجل ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ الخ۔[۲/البقرۃ:۱۸۰]

❷ ابوداود کتاب الوصایا باب مایومر بہ من الوصیۃ۔

❸ بخاری کتاب الصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس۔

❹ بخاری کتاب الوصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس و فتح الباری ج۔۶' ص۱۴۰۔

❺ بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس و کتاب الفرائض۔

ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کے دو حصے عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مصارف کے لیے عطا فرماتے تھے۔ جو مصارف سے بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیر عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ [2] خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک خلفا کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اہل بیت کو واپس کر دیا۔

ازواج مطہرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون پر قناعت فرمائی۔ پھر زوال شباب یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات میں گیارہ شادیاں کیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ یہ خاندان قریش کی ایک چالیس سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں۔ طاہرہ ان کا لقب تھا۔ پانچویں پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب مل جاتا ہے۔ ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحب ثروت تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائذ کے ساتھ عقد ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سن چالیس سال کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پچیس سال کا۔ ایک کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادیں ان ہی کے بطن سے ہوئیں۔ ان کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے مکہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ گو ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں' لیکن ان کی محبت کا نقش ہمیشہ دل پر قائم رہا۔

---

[1] ابوداؤد' کتاب الخراج والامارہ والفئی باب وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] ابوداؤد' کتاب الخراج والامارہ والفئی باب وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے۔ اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لیے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔ آغاز دعوت اسلام میں دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بہ روایت صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۰ بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔ اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین، زیرک اور فہیم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم کے لیے انہیں خاص طور پر اس کی تعلیم دی تھی۔ وہ صرف امہات المومنین میں نہیں بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ انہوں نے ۹ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارے، آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ خنیس غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا۔ ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی۔ ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب رضی اللہ عنہا تھا، فقرا اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس لیے ''ام المساکین'' کنیت ہو گئی تھی۔ ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید

ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا' لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینوں کے بعد زینب رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ہند نام تھا' ام سلمہ کنیت' والد کا نام سہیل تھا۔ ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان ہی کے ساتھ آغاز اسلام میں اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے ۴ھ میں انتقال کر گئے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ ان کے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ واقعہ کربلا کے چند سال یا اسی سال یعنی ۶۱ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ علمی اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد انہی کا درجہ تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

آنحضرت ﷺ کی پھوپھیری بہن تھیں۔ ان کی شادی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے متبنیٰ اور غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی تھی' لیکن دونوں میں نہ بن سکی اور طلاق ہو گئی۔ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فرمایا۔ یہ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض اور حسین وجمیل تھیں۔ ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے۔ امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی' جو غزوۂ مریسیع میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوئے۔ انہی میں جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑیں۔ ذی وجاہت خاندان تھیں۔ غلامی کو غیرت نے گوارہ نہ کیا۔ ۹اوقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی' لیکن پاس کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ عظمت اور

موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے۔ ۵۰ ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اصلی نام رملہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کنیت ہے' لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی۔ یہ بھی خاندان قریش سے تھیں۔ اپنے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آغاز اسلام میں مشرف باسلام ہوئیں اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں حبشہ گئیں۔ حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا' لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں۔ اس لیے عبیداللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے قبول کر لیا اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجاشی کی وکالت میں چار سو دینار پر عقد ہوا۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا' انہوں نے ۴۴ ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث تھا' ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو ثقفی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی تو ابو درہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کیا۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ ان کے سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بروایت صحیح ۵۱ ھ میں بمقام سرف انتقال کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اصلی نام زینب ہے۔ یہ غزوۂ خیبر میں امام وقت کے پانچویں حصے (خمس) میں پڑی تھیں' جسے ''صفی'' کہتے ہیں' اس لیے صفیہ کہلائیں' نسلاً اور مذہباً یہودیہ تھیں۔ ان کے ننھیال اور ددھیال دونوں میں سرداری تھی۔ انکا باپ حی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا اور ان کی ماں بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور خود گرفتار ہوئیں۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے لیے منتخب کیا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کلبی کو دے دیا وہ صرف آپ کے لائق ہیں۔ ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لیے آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوسری لونڈی دے دی اور صفیہ کو ازواج سے عزت بخشی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا جنہیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی، کبھی کبھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر طعن و طنز کرتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔

اولاد امجاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں کی رو سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں۔ دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم رضی اللہ عنہما اور چار صاحبزادیاں، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہن۔ بعض روایتوں میں دو اور صاحبزادوں طیب اور طاہر رضی اللہ عنہما کا نام بھی ملتا ہے۔ ان میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، باقی کل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے۔ قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر تھی۔ سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور کل سولہ یا سترہ مہینے زندہ رہے۔ ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت اس کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔

صاحبزادیوں میں زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں، یہ قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ۸ھ میں انتقال کیا۔ ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ رضی اللہ عنہ یادگار چھوڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے۔

زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عتیبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ ان کا انتقال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوا۔ انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں' ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی' انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوا دی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی۔ شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں انتقال کیا۔

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ چونکہ لڑکیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں اور ان کے علاوہ سب اولادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انتقال کر گئی تھیں' اس لیے آپ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے' جس سے اس کو دکھ پہنچے گا' مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نامرضی دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی بھر دوسری شادی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ اولادیں تھیں۔ حسن' حسین' ام کلثوم' زینب' محسن رضی اللہ عنہم' محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلیمات کے نمونہ عمل کے لحاظ سے دوسرے انبیا و رسل میں امتیاز حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا اس کے سوانح حیات اور اخلاق و سیرت کے حالات محفوظ نہیں۔ اس لیے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک خدوخال محفوظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی' ان کو عملاً برت کر دکھایا' خود قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ [٦٨/القلم:٤]

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔

رقت قلب' زہد و ورع' عفت و عصمت' حسن معاملہ' حسن خلق' عدل و انصاف' جود و سخا' ایثار و قربانی' محبت و رحمت' زہد و قناعت' صداقت و امانت' تواضع و مساوات' ضبط و حلم' عفو و درگزر' حسن

سلوک، دشمنوں، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت و تعزیت، مہمان نوازی، سادگی و بے تکلفی، مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی، صبر و شکر، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت و شہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کر لینا، تعظیم و بے جا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ۔ غرض ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابیں معمور ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا اثر

اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس و تکمیل اور حجۃ الوداع میں گزر چکی ہیں۔ ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ان تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایا پلٹ دی، جس کا ثبوت آئندہ صفحات میں ملے گا۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جا چکی ہے، لیکن تھوڑی ہی مدت میں وہی عرب دنیا کے معلم اخلاق بن گئے اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم میں پھیلی، آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے، وہ اسلام ہی کے آفتاب عالم تاب کا پرتو ہے۔

خلافت راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱۱ھ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۳ء تا ۶۳۴ء)

مختصر حالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم رفیق' اسلام کے سب سے پرانے جان نثار' محرم اسرار نبوت' ثانی اثنین فی الغار' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین منتخب ہوئے۔ آپ کا نام عبداللہ' کنیت ابوبکر اور صدیق اور عتیق لقب ہے۔ والد کا نام ابوقحافہ تھا۔ آپ قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے نظام سیاسی میں خون بہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۔ [1] اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شغل تجارت تھا۔ آپ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ کے لوگوں پر آپ کے حسن اخلاق' راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ تقریباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے۔ طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے۔ ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی تصدیق کی۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست بن گئے اور راہ اللہ میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی اور میدان جان نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لے جا سکا۔ بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کچھ اہل و عیال کے لیے بھی چھوڑا ہے تو عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ [2]

کسی صحابی کی اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے:

---

[1] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۱۲۔ [2] ترمذی مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا اور مکہ کی پر خطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت ﷺ کے پشت پناہ رہے۔ تبلیغ اسلام میں آپ ﷺ کی رفاقت کرتے' جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے ساتھ جاتے اور اپنے جاننے والوں سے آپ ﷺ کا تعارف کراتے۔ ❶

حضرت عثمان' حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابوعبیدہ بن جراح' حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اور اساطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے۔ کفار کے ظلم و جور کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ ❷ حضرت بلال' عامر بن فہیرہ اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم و جور کا نشانہ تھے' اپنے مال سے آزاد کرایا۔ ہجرت نبوی میں رفاقت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ہجرت کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کی زمین کی قیمت جو دو یتیموں کی ملکیت تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ اس طرح مدینہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ ❸

غزوات میں بدر' احد' بنی مصطلق' حدیبیہ' خیبر' فتح مکہ' حنین و طائف وغیرہ تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب میں نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں۔ حدیث' سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے۔

۹ھ میں امارت حج کا منصب تفویض ہوا۔ غرض آغاز اسلام سے لے کر وفات نبوی ﷺ تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی جان نثارانہ رفاقت کی۔ آپ ﷺ پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ ❹ اس رفاقت اور خدمات کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبوی کے محرم تھے۔ اس لیے وہ قدرتاً نیابت نبوی ﷺ کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے اور آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا' چنانچہ آپ ﷺ کے مرض الموت میں' جب نقل و حرکت کی طاقت آپ ﷺ میں نہ رہی' اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد

---

❶ کنز العمال ج۔۶' ص ۳۱۹۔　❷ بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین مکۃ۔
❸ فتح الباری جلد۔۷' ص ۱۹۲۔　❹ بخاری باب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمایا۔ [1] جو درحقیقت آپ ﷺ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لیے آپ ﷺ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی تعلیم نے آپ ﷺ کے حاشیہ نشینوں میں ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی، کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے آئندہ کے بارے میں تصریح سے سکوت فرمایا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا ہمیشہ سے موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا۔ یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا۔ انصار مدعی تھے کہ آنحضرت ﷺ کی جانشینی میں انہیں بھی حصہ ملنا چاہیے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہیے، لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ اس لیے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا۔ یہ ہوسکتا تھا کہ تنہا انصار کو ہی یہ منصب مل جاتا، لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش، پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ پھر انصار میں اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں تھیں۔ ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا، دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا۔

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور یہ برمحل

---

[1] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ۔

تقریر کی...... "کہ مجھے تم لوگوں کے فضائل ومناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں' لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے۔ پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو"...... یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں' ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مقرب ہیں' اس لیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ بیعت عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی:

> "لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلا دوں' اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کر لوں۔ یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے' اللہ اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' اگر میں اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔" [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر کا سبب

بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے

---

[1] بخاری جلد۔ا' ص ۵۱۸۔ [2] طبقات ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ص ۱۲۹۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں توقف کیا۔ اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کر دی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے کہ خلافت نہ ملنے کے ملال میں آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانوں سے الگ رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر آپ نے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا وہ یہ ہے "میں آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قرآن نہ جمع کر لوں گا اس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا"۔ [1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف فرمایا کہ...... "آپ کو اللہ نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد میں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے"...... اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔ [2]

قبائل میں شورش وانقلاب کا آغاز

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کے ساتھ ہوا، لیکن آپ نے اپنے تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔ سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا۔ بہت سے قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام تو قبول کر لیا تھا، لیکن ان کے دلوں میں وہ راسخ نہ ہوا تھا، اس لیے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے۔ دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی، جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض

[1] طبقات ابن سعد ج۔۲، ق۔۲، ص ۱۰۱۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر۔

الموت میں رومیوں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینے کے لیے ان کے لڑکے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں شام بھیجنے کے لیے حکم دیا تھا۔ ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی (بعض روایتوں کے مطابق روانہ ہو چکی تھی' لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر رک گئی تھی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ کے بعد جب عرب میں انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ ایسی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہیں ہے' اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے' مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا' نہیں روک سکتا۔ [1]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم

اور انہی انقلاب انگیز حالات میں فوج روانہ کی اور خود پاپیادہ مدینہ سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لیے گئے۔ رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا' مال نہ چھپانا' بے وفائی سے بچنا' مثلہ نہ کرنا' بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا' ہرے بھرے اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا۔ [2] چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا۔ اس سے ایک طرف بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف بیٹھ گیا' دوسری طرف انقلاب کرنے والوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت کافی ہے' ورنہ ایسے حالات میں جبکہ اندرونی قبائل میں بغاوت بپا ہے' وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتنی بڑی فوج نہیں بھیج سکتے تھے۔

مدعیان نبوت کا استیصال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ جھوٹی آواز صور صداقت کے سامنے نہ ابھر سکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور بہت سے حوصلہ مندوں کے دماغ میں یہ سودا سما گیا'

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱۔　[2] طبری ص ۱۸۵۰۔

چنانچہ اَسود عنسی‘ طلیحہ بن خویلد کئی مدعیان نبوت پیدا ہوگئے ۔ مرد تو مرد‘ عورتیں تک اس خبط میں مبتلا ہو گئی تھیں‘ چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی اور مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی تھی۔ موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان جھوٹے نبیوں کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی۔ مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ ان کی مدد پر مامور ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے۔ طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کر کے تیس قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا۔ طلیحہ شام بھاگ گیا۔ پھر تجدید اسلام کر کے مسلمان ہوگیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ طلیحہ کے پیرووں میں زیادہ تر قبیلہ طے تھا۔ اس کے سردار عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ مسلمان بنا لیا۔ باقی دوسرے اتباع کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا۔ طلیحہ شام بھاگ گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہوگیا۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہما مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں تھے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل رضی اللہ عنہ سے پہلے پہنچ کر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا لیکن انہیں شکست ہوئی۔ ان کی شکست کی خبر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا۔ مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی تعداد میں جمع تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک خونریز جنگ کے بعد بنی حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی۔ مسیلمہ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوا۔ اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیہ نبوت تھی۔ شوہر کے قتل ہونے کے بعد بھاگ گئی۔ اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن صحابہ شہید ہوئے۔ تیسرے مدعی نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا۔ غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ [1]

خودسر مرتد امرا کا استیصال

مدعیان نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسلمان ہو چکے تھے‘ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر مرتد ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں‘ لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں‘ ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے‘ تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکور حالات مدعیان نبوت۔

کے علاقہ میں مرتد ہو کر خودسری کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن حضرمی، حذیفہ بن محصن اور زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب ان سرداران کے مقابلہ میں بھیجا۔ علاء رضی اللہ عنہ نے نعمان کا استیصال کیا، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لقیط کو قتل کیا اور زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمانروایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔ [1]

منکرین زکوٰۃ کی تادیب

ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے۔ اس لیے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا اور کہا...... ''جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے''۔ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے فرمایا:

''اللہ کی قسم! جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا، اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا''۔ [2]

آپ کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا، تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے اور اسلام ایک تماشا بن جائے گا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ آپ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے اور انہیں زیر کیا۔ آپ کی مستعدی اور استقامت سے چند دنوں میں تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کی۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دفعۃً بپا ہو گئے تھے، دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔ [3]

---

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں۔ ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکور حالات فتنہ ارتداد۔ [2] بخاری جلد اول ص ۱۸۸۔ [3] تفصیل کے لیے دیکھو طبری، حالات منکرین زکوٰۃ۔

فتوحات

ایران وروم کی مخالف حکومتیں

اندرونی انقلاب فرو کرنے کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس زمانہ میں جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں کے درمیان میں گھرا ہوا تھا۔ ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں۔ خصوصاً ایرانیوں نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی' اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونوں کو باجگوار بنالیا تھا اور سابور ذی الاکتاف ایک مرتبہ یمن وحجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے' ان کے شانے اکھڑوا دیا کرتا تھا۔ اس لیے عربوں میں وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ [1] لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے اور جب انہیں موقع ملتا تھا' ان سے گلوخلاصی حاصل کر لیتے تھے اور ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے' چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ غرض عربوں اور ایرانیوں میں نہایت قدیم رقابت چلی آ رہی تھی۔ ایرانی عربوں کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ٦ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور نامہ مبارک چاک کر کے پھینک دیا اور کہا ''میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے''۔ اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کا فرمان لکھا۔ [2] پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا۔ اس کے بعد اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا۔ اس وقت ساسانی حکومت اسے خوف وخطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

ایران کی سیاسی حالت

اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی۔ خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا

---

[1] اخبار الطوال ص ٤٩۔ [2] ابن سعد ج ۱ ق ۱ ص ۱۱٦۔

دیا۔ یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا۔ اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا۔ اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا۔ چند دنوں کے بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ ایک سال کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اس لیے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا۔ [1]

عراق پر عرب قبائل کا حملہ

ان پیہم انقلابات وحوادث نے ایران کی گزشتہ عظمت وشان برباد کر دی تھی اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اس وقت ایران کے ہم جواران عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختہ مشق بنتے چلے آرہے تھے بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کر دی۔ گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہو چکا تھا۔ تاہم اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس کو زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے مثنیٰ نے مدینہ جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود مسلمان تھے لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا۔ مدینہ سے واپس ہو کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ [2] اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہو گئے۔

عراق پر فوج کشی اور فتوحات

اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پا چکے تھے لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لیے عراق جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہو گئے اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بارسوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا کہ ''یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزو مند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو''۔ ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوا دیا اور خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے نکلا مقام کاظمیہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ میدان سے منہ نہ موڑنے پائے لیکن مسلمانوں نے اس زنجیر آہن کے

---

[1] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ص ۱۱۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۵۰۔

بھی ٹکڑے کر دیئے اور ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی میں ایک فوج گراں اس کی مدد کے لیے روانہ کر دی تھی۔ اس کو مقام مذار میں ہرمز کی شکست کی خبر ملی' اس لیے قارن یہیں ٹھہر گیا۔ ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی۔ خالد رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو وہ مذار پہنچے' دونوں میں مقابلہ ہوا' ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی اور قارن' انوشجان اور قباد تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ [1]

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا۔ اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ دونوں سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندوں اور عیسائی عربوں کو ساتھ لیتے ہوئے دلجہ میں آ کر خیمہ زن ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لیے بڑھے' ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپا دی اور خود آگے بڑھ کر صف آراء ہوئے۔ ایرانی پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا اور بے شمار ایرانی مارے گئے۔ اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا' لیکن کچھ دور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا۔ [2]

اس جنگ میں بہت سے عیسائی عرب بھی جنھوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا' مارے گئے تھے۔ اس لیے اس کے انتقام میں تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو الیس میں پڑا ہوا تھا جا کر مل گئے۔ کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دی۔ [3] الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے۔ امغیشیا کے بعد خالد رضی اللہ عنہ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے۔ حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادبہ کو مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بھیج دیا تھا۔ اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا۔ اس لیے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے۔ فرات کے دہانہ پر آزادبہ کا مقابلہ ہوا' آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا۔ [4]

---

[1] طبری ج ۴' ص ۲۰۲۷' ۲۰۲۸۔ [2] طبری ج ۴' ص ۲۰۳۱۔

[3] طبری جلد ۴' ص ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷۔ [4] ابن اثیر ج ۲' ص ۲۹۸۔

آزادبہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا۔ آزادبہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا۔ اہل شہر نے دروازے بند کر لیے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر میں ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ عہد نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا کہ ''اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور اگر حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی۔ اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔'' [1] مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالد کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب و جوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ [2]

اس دوران اردشیر مر گیا تھا' اس کی موت سے ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے' لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے پوری قوم متحد تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا دیا۔ ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی حفاظت کے لیے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر انبار پہنچے' ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کر کے حملہ شروع کر دیا' لیکن ایرانی خندق کے اس پار سے تیر باری کر رہے تھے' اس لیے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے تیر برسا کر ہزاروں آنکھیں بیکار کر دیں۔ اس سے ایرانی گھبرا گئے اور خالد رضی اللہ عنہ نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اتار دیں۔ ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے۔ مسلمانوں کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے اور انہوں نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔ [3]

خالد رضی اللہ عنہ نے انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ دوسری طرف بہرام چوبین کا لڑکا تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں تمر' تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ [4] اس لیے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے۔ بہرام چوبین کا لڑکا بڑا متعصب تھا' اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا' لیکن اس نے قومی عصبیت میں انہیں آگے کر دیا۔ بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹانا چاہیے۔ مقام کرخ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ خالد نے عربوں کے سردار عقہ بن عقہ کو

---

[1] طبری ج ۴' ص ۲۰۴۷ تا ۲۰۴۱۔ [2] ابن خلدون ج ۲' ص ۸۱۔

[3] طبری جلد ۴ ص ۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵۔ [4] ابن اثیر جلد ۲' ص ۲۹۔

گرفتار کرلیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد عربوں نے سپر ڈال دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کرلی اوران کی قوم فروشی کی سزا میں انہیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے جو قلعہ میں محفوظ تھے' پہنچے۔ انہوں نے نکل کر مدافعت کی' لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر قلعہ فتح کر لیا۔ [1] اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ [2]

عراق وشام کی سرحد دومۃ الجندل میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عربی عیسائی قبائل مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک اسی سلسلہ میں ہوا تھا اور خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مطیع بھی بنایا تھا۔ [3] ان سازشوں کا سلسلہ اب تک قائم تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جو قریب ہی موجود تھے' مدد مانگی' وہ فوراً پہنچے' اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا مگر جودی نہ مانا۔ اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عیاض اور خالد رضی اللہ عنہما نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا' خالد رضی اللہ عنہ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی باقی قبائل قتل کر دیے گئے۔ [4] ادھر خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی مہم میں مشغول تھے۔ دوسری طرف عراق میں عرب قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس لینے کے لیے ابھارا اور زرمہر اور روزبہ عربوں کو ساتھ لے کر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے۔ اس درمیان میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کر کے حیرہ پہنچ گئے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کی مدد کے لیے' جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے خنافس جا رہے تھے' خنافس روانہ ہو گئے۔ عین التمر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے خالد رضی اللہ عنہ نے قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس بھیجا۔ قعقاع نے حصید پہنچ کر زرمہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا' باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی' عین اس وقت جب ابولیلیٰ یہاں پہنچے تھے انہیں دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے' خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع اور ابولیلیٰ وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شبخون مار کر ایرانیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ دوسری طرف عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل عرب قبائل کو لیے ہوئے ایرانیوں کی مدد کے لیے بشر میں جمع ہوئے۔ ثنی

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵۔ [2] طبری ص ۲۰۶۳۔

[3] ابن خلدون ج ۲' ص ۲۹۔ [4] ابن اثیر ج ۲' ص ۳۰۳۔

نے بشر میں عربوں پر شبخون مارا۔ ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے۔ [1] اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے فرائض کے ارادے سے رضاب آئے۔

فراض نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں شام' عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس لیے اپنی حفاظت کے لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں۔ اس لیے خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابلہ کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر ازسرنو فوجیں مرتب کیں۔ ایک طرف ایرانی' عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی۔ دوسری طرف تنہا مسلمان' درمیان میں فرات حائل تھا۔ ایرانی' رومی اور عرب نشہ نخوت میں فرات کو پار کرکے اس پار چلے آئے۔ لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں۔ لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی۔ شکست خوردہ فوجوں کے عقب میں دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے۔ اس لیے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہوگئیں۔ اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ ملتوی کرکے مثنیٰ کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی مہم پر جہاں عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی' بھیج دیا۔ اس لیے سردست عراق کی مہم رک گئی۔ [2]

عرب اور رومیوں کے تعلقات

عربوں کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی۔ رومیوں کی مرکزی حکومت قسطنطنیہ میں تھی۔ عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔ یہ حکومت گو ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی' لیکن دونوں قوموں میں قدیم رقابت چلی آ رہی تھی' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں ہی کے اشارہ سے عربوں کی مرکزیت توڑنے کے لیے ''کعبہ یمانی'' بنایا تھا۔ [3] ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے تھے' چنانچہ ۶ ھ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو' جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے' لوٹ لیا تھا۔ اور دوسرے سفیر حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کو شرحبیل حاکم بصریٰ نے' جس کے پاس وہ خط لے کر گئے تھے' قتل کردیا۔ اسی کے انتقام میں غزوۂ موتہ ہوا تھا۔ پھر ۹ ھ میں رومیوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مدافعت کے لیے نکلنا پڑا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ہر وقت رومیوں کے حملہ کا خطرہ لگا

---

[1] طبری ج ۴' ص ۲۰۶۰ تا ۲۰۷۰۔ [2] طبری ج ۴' ص ۲۰۷۳۔۲۰۷۴۔ [3] سیرۃ ابن ہشام ج ۱' ص ۳۰۔

رہتا تھا۔ اسی خطرہ کے انسداد کے لیے شہدائے موتہ کے انتقام کے لیے رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تکمیل کی۔ غرض ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانوں اور شامی رومیوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے تھے اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا' جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

شام پر فوج کشی اور فتوحات

ان اسباب کی بنا پر رومیوں کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے ان سے نپٹنا ضروری تھا۔ اس لیے ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور شام کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مامور ہوئے۔ حمص پر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ' اردن پر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ [1] مسلمانوں کی فوج کشی کے وقت ہرقل والی شام حمص میں تھا۔ اس کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں' چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد میں قدم رکھا' اس وقت انہیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا۔ ان کی کثرت کا اندازہ کر کے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں مدد کے لیے طلب کیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو عراق میں تھے' حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شام چلے جائیں۔ اس حکم پر فوراً شام روانہ ہو گئے۔ [2] اور راستہ میں حدرداء سویٰ' قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے۔ سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوج کشی کر کے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے [3]

دوسری طرف عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فلسطین کے مورچہ پر تھے اور ان کے مقابلہ کے لیے اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا۔ اس لیے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے اور رومیوں کو شکست دے کر اجنادین پر

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵۔ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۹۔

قبضہ کر لیا۔ اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا۔ کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا۔ ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔

علالت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف

جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار پڑے' پندرہ دن بخار رہا۔ آپ خلقۃً بہت ناتواں تھے۔ عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا۔ نشست و برخاست سے معذور ہو گئے۔ آپ کی علالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کرتے تھے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آئندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا اور اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ان کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے''۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے ہوئے تھے' انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا ''جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو آپ نرم ہو جائیں گے''۔ ایک صحابی نے کہا۔ ''آپ عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو آپ کیا جواب دیں گے؟'' فرمایا میں عرض کروں گا ''الٰہی! میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب سے اچھا تھا''۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا' ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا ''اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی''۔ وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عام مجمع میں سناؤ اور خود بالاخانہ پر جا کر حاضرین سے فرمایا کہ ''میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا' بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے''...... سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں۔ [1]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳' ق ۱ اول' ذکر وصیت ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

آخری وصیتیں اور وفات

انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ ''میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا' میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں' اسے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دینا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا''۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ ''میرے بدن پر جو کپڑا ہے اس کو دھو کر کفن دینا''۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے؟ معلوم ہوا دوشنبہ' پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن انتقال فرمایا تھا؟ عرض کیا اسی دن۔ فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے۔ یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گزرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا' انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت دو سال تین مہینہ اور دس دن۔ وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار کے پہلو میں' ساری عمر جس کی رفاقت میں گزری تھی' سپرد خاک کر دیئے گئے۔ وفات کے بعد عبداللہ' عبدالرحمٰن' اسماء اور عائشہ (ام المؤمنین) رضی اللہ عنہم کئی اولادیں یادگار چھوڑیں' ایک صاحبزادی ام کلثوم وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی ایسا کام نہیں ہونے پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہوا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو کل سوا دو سال مسلمانوں کی خدمت کا موقع ملا۔ اس قلیل مدت میں آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام دیں اور آئندہ حکمرانوں کے لیے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسروں سے برسوں میں ممکن نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا کہ کسی امر میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے' گو عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی' لیکن جہاں ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے۔ جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے' خلیفہ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ مہتم بالشان تھا' لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کو گل

کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا' جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے' انہوں نے اسلام کے ایک رکن اعظم' زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ اسلام کو زیروزبر کر دینا چاہتے تھے۔ ان نازک حالات میں محض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استقلال نے بزور ان سے زکوۃ وصول کر کے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا۔

ملکی انتظام

چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی کام میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ میں جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ تمام اہم امور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے انجام پاتے تھے۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ' حضرت عمر' عثمان' علی' عبدالرحمٰن بن عوف' معاذ بن جبل' ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے۔ [1]

جزیرۃ العرب کو جس کی اب تک کوئی تقسیم نہ تھی' البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ' مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومۃ الجندل مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں

آپ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور حکومت کے عہدوں کے لیے ان ہی بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے' جو درسگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ عہد رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدوں پر قائم رکھا' چنانچہ مکہ میں عتاب بن اسید' طائف پر عثمان بن ابی العاص' صنعاء پر مہاجر بن ابی امیہ اور زبید پر زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم حاکم تھے۔ نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے اور تقرر کے وقت انہیں نہایت مفید نصیحتیں فرماتے تھے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ محصل صدقات کو یہ نصیحت فرمائی:

''جلوت و خلوت میں اللہ کا خوف رکھو' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایسی سبیل

[1] طبقات ابن سعد ج۔ ۲' ق ۲' ص ۱۰۹۔

اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے' بیشک اللہ کے بندوں کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے' تم اللہ کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کے استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے' اس لیے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا''۔ [1]

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی مہم میں جاتے وقت یہ نصیحتیں فرمائیں:

اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں' شاید تم ان کو امارت سے فائدہ پہنچاؤ۔ درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا' یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا''۔ [2]

مالی انتظام

عہد صدیقی میں زکوٰۃ' عشر' جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی' اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام' ادنیٰ و اعلیٰ' مرد اور عورت' عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے' چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کیے۔ دوسرے سال بیس بیس درہم۔ اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا' فضل و منقبت اور شے ہے' اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں۔ [3] آخر عہد خلافت میں بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اسی لیے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے۔ جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ [4] اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے' اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔ [5]

---

[1] تاریخ طبری ج ۴' ص ۲۰۸۳۔

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۱' ص ۶۔

[3] ابن سعد ق۔ اول' ج ۳' ص ۱۵۱۔

[4] ابن سعد ق۔ اول' ج ۳' ص ۱۵۱۔

[5] ابن سعد ق۔ اول' ج ۳' ص ۱۵۱۔

فوجی نظام

فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا' بلکہ عہد رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوش جہاد میں جمع ہو جاتے تھے۔ عہد صدیقی میں اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستوں پر کر دی گئی۔ جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا' چنانچہ شام کی فوج کشی میں خالد بن ولید' یزید بن ابی سفیان' ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے علیحدہ علیحدہ دستے تھے اور سب کے امیر العسکر ابوعبیدہ تھے۔ فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لیے مفید ہدایات فرماتے تھے' چنانچہ شام کے افسران فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں:

> ''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' ان کو چھوڑ دینا' میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں' کسی عورت' بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا' پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا' کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا' نخلستان نہ جلانا' مال غنیمت میں غبن نہ کرنا' بزدلی نہ دکھانا''۔ [1]

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہیں ہے۔

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لیے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدتے تھے۔ [2] اور جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔ [3]

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے اور آپ نے ان کی تجدید و توثیق فرمائی اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے' چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دیئے:

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶۔ [2] کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۱۲۔ [3] کنز العمال ج ۳' ص ۱۳۴۔

''ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں' ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔'' [1]

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔ [2]

تحفظ دین

خلافت کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام و نفاذ ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تحفظ دین میں بڑا اہتمام تھا۔ کوئی نئی بات جو عہد رسالت میں نہ تھی' نہ ہونے دیتے تھے' گو عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے اس کی ضرورت کم پیش آئی' لیکن جہاں اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا' اس کا تدارک فرماتے۔ اس میں احتیاط کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ حدیثوں کی روایت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے۔ تحفظ دین کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا محکمہ افتا قائم تھا۔

تدوین قرآن

عہد صدیقی کا ایک کارنامہ کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین ہے۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیوں میں خصوصاً یمامہ کی جنگ میں حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شہید ہوگئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جمع قرآن کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسے میں کس طرح کروں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آ گئی' چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو عہد نبوی میں کاتب وحی تھے' قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کو بھی اس بارگراں کے اٹھانے میں تامل ہوا' لیکن پھر ان کے ذہن میں بھی بات آ گئی' چنانچہ

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابویوسف۔ [2] کتاب الخراج قاضی ابویوسف۔

انہوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء اور حفاظ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا۔ [1]

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مرتب نہ تھا' یعنی اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے۔ یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انجام پایا' لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے۔ قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات وسور کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں اور حیات نبوی ﷺ میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی' موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے۔ البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہی کام ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ [۹۸/البینۃ:۲] میں بیان فرمادیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا' لیکن اس کے اجزاء متفرق تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو جمع اور ایک جگہ کر دیا' جو ان کے بعد محفوظ رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے"۔ [2]

حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورۃ' آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کاتب وحی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں کے بعد لکھا جائے اور جب ایک سورت ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی' کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بیک وقت آیات نازل ہوتی تھیں' آپ انہیں مضمون اور معنی کی مناسبت سے مختلف سورتوں میں لکھواتے تھے۔ اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات وسور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی۔ آپ کی نمازوں کے سلسلہ میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں کہ فلاں فلاں وقت کی نماز میں آپ نے فلاں فلاں سورتیں پڑھیں' اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نام بھی متعین ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں بخاری کی یہ روایت عہد نبوی میں ترتیب قرآن کا نہایت بین ثبوت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا کرتے تھے اور وفات کے سال دو مرتبہ سنایا۔ [3] یہ مسلم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہو چکا تھا۔ اس لیے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ مرتب بھی تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اس کا دور

[1] بخاری ج۔۲' باب جمع القرآن۔ [2] فتح الباری ج۔۹' ص۱۰۔
[3] بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی۔

کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا اور اس کو ایک رات میں تمام کر دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا تو بیس دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے' فرمایا تو پندرہ دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں' فرمایا تو دس دن میں' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے' فرمایا تو سات دن میں پڑھا کرو' اس سے زیادہ نہیں۔ [1] اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پورا قرآن مرتب تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا دور کرتے تھے۔ حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ اس قسم کی دو چار نہیں' معلوم نہیں کتنی روایتیں ہیں' لیکن ان کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔

علمی کمالات

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ قرآن پاک کے فہم و تدبر میں ایسا ذہن وقار اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظر ان نکات تک آسانی پہنچ جاتی تھی' جن کی طرف عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا۔ علم الانساب کے' جو عربوں کا بڑا ممتاز علم تھا' بڑے ماہر تھے اور ان کا شمار ان علمائے انساب میں تھا جو سارے عرب میں منتخب مانے جاتے تھے۔ [2] شعر و سخن سے ذوق تھا اور زمانہ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے' لیکن اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے بعض اشعار نقل کیے ہیں۔ اگرچہ آپ کوئی زبان آور خطیب نہ تھے لیکن تقریر نہایت موزوں اور موثر ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شدت الم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جو بدحواسی طاری ہو گئی تھی اس کو آپ ہی کی تقریر نے دور کیا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو آپ ہی کی تقریر نے ٹھنڈا کیا۔

سیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ

ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب' نرم خو' متواضع' خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے۔ اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا۔ خلافت سے پہلے تجارت کرتے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی کم یقراء القرآن۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۰۔

تھے۔ خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا' چنانچہ بیت المال سے بقدر کفایت روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے۔ رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلّہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوھ دیتے۔ خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو' جس کی بکری کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے' بڑی فکر ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ زہد وعبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اور اکثر دن روزوں میں گزرتے تھے۔ خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے۔ رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے دفتر عبرت تھا۔ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش! میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔

چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے' پرندو! تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں' کاش ابوبکر تمہاری طرح ہوتا' بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے' یہاں تک کہ ''اواہ'' لقب ہو گیا تھا۔ [1]

[1] طبقات ابن سعد۔ ق۔ اول' تاریخ الخلفاء اور کنز العمال ج۔ ۶ میں اس قسم کے بکثرت واقعات ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

(۱۳ھ تا ۲۴ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء)

تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر گئے تھے' چنانچہ ان کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے۔ آپ کا نام عمر اور فاروق لقب ہے۔ آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا۔ قریش کے نظام میں سفارت اور فصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون میں سپہ گری اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی۔ معمولی نوشت وخواند سے بھی واقف تھے' معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ اسی سلسلہ میں دور دور کا سفر کر چکے تھے۔ ان سفروں نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا' اس لیے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہوا اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آ جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے فہم و تدبر سے اس کو حل کرتے تھے۔ [2] ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا' جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا' جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے' لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ ان کے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ [3] یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ ۷ھ میں اسی دشمن اسلام کے بہن اور بہنوئی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن ان کی زبان کلمہ حق سے نہ پھری۔ ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین میں ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی' انہوں نے چند آیتیں سنائیں' یہ سحر آفریں آیات سن کر بے اختیار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پکار اٹھے۔ اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ اب تک کسی نے اعلانیہ عبادت کرنے کی جراٴت نہ کی تھی' بلکہ

---

[1] عقد الفرید باب فضائل عرب۔ [2] استیعاب ترجمہ عمر رضی اللہ عنہ۔ [3] ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ۔

بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو دفعتاً حالت بدل گئی۔ یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے' انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرأت پر فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ [1] گو دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو عماد قریش نہیں ستا سکتے تھے' پھر بھی جس حد تک ممکن تھا باز نہ رہے اور کئی سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی سختیاں جھیلتے رہے اور اذن ہجرت کے بعد انہوں نے ہجرت کی۔ مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا' نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا جس میں جرأت ہو باہر میدان میں آئے۔ کسی نے ہمت نہ کی۔ [2] ہجرت کے بعد بدر واحد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے۔ جنگ بدر میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ غزوۂ تبوک میں آدھا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ [3] غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح انہوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا۔ ان کی جرأت وشجاعت اور جانثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ ایثار وقربانی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا ہی درجہ تھا۔ ان کی جانثاری وفدا کاری اور خدمات اسلامی کی بنا پر ان کو بارگاہ نبوی میں جو تقرب واختصاص حاصل تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی صحابی کو نہ تھا' آپ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ [4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کی کوشش کو بڑا دخل حاصل ہے۔ آپ ہی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کیا۔ عہد صدیقی کے جملہ مہمات امور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاص مشیر اور دست راست رہے۔ ان کے ان گوناگوں فضائل اور اوصاف کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات کے وقت ان کو اپنا جانشین مقرر کر گئے۔

خلافت

گو صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تدبر' ان کی صداقت وحق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی' لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی' لوگ کسی قدر ڈرتے تھے' چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا' لیکن انہوں نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

---

[1] یہ واقعات انساب الاشراف بلاذری ج۔ اول' طبقات ابن سعد ج اول قسم اول واسد الغابہ تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہیں۔　[2] زرقانی جلد اول ص ۳۷۱۔　[3] یہ واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

[4] مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل عمر۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ [1]

عراق کی مہم اور فتوحات

آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں عرب کے تمام حصوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا' لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔ آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے۔ آخر میں مسلمانوں میں حرارت پیدا ہوگئی اور بنی ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔ عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی از سر نو فوجی تنظیم کی' بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی اور چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور عراقی اضلاع مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف سے ابوعبید آ رہے تھے۔ مقام نمارق میں ان کا اور جابان کا مقابلہ ہوگیا' ابوعبید نے اسے نہایت فاش شکست دی۔ اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا' لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی' بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا' لیکن ابوعبید نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے اس سے بدعہدی نہیں کی جا سکتی چھڑا دیا' [2] جابان کو شکست دینے کے بعد ابوعبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی' اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امرا نے اطاعت قبول کر لی۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد جلد اول حالات استخلاف عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال دینوری ص ۱۲۱۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا' ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں۔ دوسری طرف مسلمان تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا' لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امرا کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے' دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزوں تھا' ایرانی فوج میں دیوپیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل ہو جانا پڑا۔ گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا' ابوعبید رضی اللہ عنہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا' لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے' لیکن جگہ بہت کم تھی۔ آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا۔ اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا۔ آپ نے اس کے انتقام کے لیے پرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی۔ عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی۔ دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔ بوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسلمان بویب خیمہ زن تھے اس لیے مہران سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے اس کے پار صف آراء ہوا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا' گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی میں بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔ اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش

اس شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا۔ ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت میں بہت سے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تیاریاں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں، رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا۔ انہیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ آپ کا دار الخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ [1] اس لیے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے اور عہد رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں۔ اس فوج میں ستر بدری صحابی، تین سو بیعت رضوان کے جانثار، اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس لیے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں۔ [2] شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ [3] اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے دربار ایران بھیجا جائے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۴۔ [2] طبری ج ۴، ص ۲۲۲۳، ۲۲۲۹۔ [3] طبری جلد ۴، ص ۲۰۳۹۔ ۲۲۳۰۔

اسلامی سفارت

اس حکم پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا' رستم نے پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا یزدگرد کے! دونوں میں گفتگو ہوئی۔ آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے' رستم نے ان کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے۔ عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لیے یہ فال نیک ہے' رستم کے بعد لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا' اس نے جوش غضب میں کہا اگر سفیروں کو قتل کرنا ناجائز نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جا سکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔ [1] رستم کو مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ جنگ سے بچنے کے لیے حیلے ڈھونڈتا تھا' چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں' انہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا' رستم نے انہیں مرعوب کرنے کیلئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا' مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ نہ تھی' نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے' اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے' دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی' آخر رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو' ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں۔ مغیرہ نے جواب دیا کہ بیشک ہم بھوکے تھے' لیکن اللہ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا' جس کے اتباع سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی۔ اس نے ہم کو اپنے معاندین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے ہم تم کو ایک اللہ کی پرستش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا' ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی' یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و مہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ [2]

قادسیہ کی جنگ

اس گفتگو کے بعد ہی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں۔ صبح ہوتے ہی قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔

---

[1] بلاذری ص ۲۶۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۶۵' ۲۶۶۔

مسلمان پہلے سے تیار تھے' محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے' عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا دورہ ہوا اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہو گئے' اس لیے اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا' ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا۔ عین لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفراء ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدان جنگ میں اعلان کیا کہ امیر المؤمنین نے ان بہادروں کیلئے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں۔ اس امتیاز کے حصول کیلئے مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی فوج کام آئی' اس کے بڑے بڑے نامور ممتاز افسر مارے گئے۔ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔ اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔ رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا' یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بدکتے تھے' مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رخ کر دیتی تھی۔ صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی۔ یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں' قعقاع رضی اللہ عنہ نے سفید نشان کے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی اور جھرجھری لے کر بھاگا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی' اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا' اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ دن بھر ہنگامہ کا بازار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی۔ دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا' لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا۔ راستہ میں ایک ندی تھی' اس میں کود کر نکل جانا چاہا' مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا' ندی سے نکال کر قتل کر دیا' اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی

فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا لیکن ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ اس لیے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا' اس سے حالات پوچھے' وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا' اس لیے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے' اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین یہی ہیں' اس وقت وہ سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں' تم حالات بیان کرتے جاؤ۔ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی:

> ''مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود اللہ کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بوجھ میرے اوپر ڈالا گیا ہے' اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے' اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ۔'' [1]

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں نے بابل میں اجتماع کیا تھا' اس لیے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بابل روانہ ہو گئے' لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل' کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے' بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ کرنے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں' اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا' انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے یہ

[1] یہ پوری تفصیل طبری سے ملخصاً ماخوذ ہے دیکھو جلد ۵' ص ۲۳۳۵' ۲۳۶۸۔

حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے۔ جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی ''دیوان آمدند، دیوان آمدند'' کہہ کر بھاگ نکلے' ایک افسر نے معمولی سی مزاحمت کی۔ لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا۔ یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کا وقت قریب تھا' ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا۔ مدائن کے خزانہ میں صدیوں کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرہ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں۔ یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھجوا دیئے۔ ان نوادر میں نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا' جس وقت اس نے اسے پہنا' جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور انقلاب دہر کا عجیب عبرت ناک منظر سامنے آ گیا' فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساری ثنائیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے' سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ [1]

جلولاء کا معرکہ

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولاء کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیئے' اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا۔ انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن اولاً جلولاء خود نہایت مستحکم شہر تھا' دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا اس لیے کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح کیے ہوئے نہ ٹلیں گے۔ بالآخر کئی مہینے کی لڑائیوں کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے جلولاء فتح ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حلوان پر قبضہ

[1] طبری نے ان نوادر روزگار اشیا کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو جلد ۵' ص ۲۴۵۰ و مابعد۔

یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا۔ اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا۔ اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے اور خسرو دشنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرادی کہ "جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا" اس اعلان کے بعد بہت سے امراء دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جلولاء عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ

عراق کے زیر نگین ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر' مال غنیمت کے مقابلہ میں مجھ کو مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے۔ [1] مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا' لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آ گئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات معلوم تھے اس لیے انہوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے۔ ان حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارۂ کار نہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ بن غنم رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر وہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے' لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں ملا لیا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دو پاٹوں کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ' حران' نصیبین' میافارقین' سمساط' سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین کر لیا۔

---

[1] طبری جلد ۵' ص ۲۴۶۴۔

خوزستان

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا۔ اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لیے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا۔ اس وقت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے۔ انہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ اہواز کے بعد سوس فتح کیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا' یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔

یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی۔ آپ نے فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے۔ ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا۔ بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا۔ اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو لے کر تہہ خانہ کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے' مسلمان باہر منتظر تھے۔ شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے۔ ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمر کے پاس بھجوا دیا جائے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کر لیا اور ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ [1] شوستر کے بعد جندیسا پور فتح ہوا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۲' ص ۲۱۴۔

عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا' یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا ہے۔ اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آ کر رک جائے گا۔ لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا لے جائے گا۔ اس لیے انہوں نے یزدگرد کو آمادہ کیا۔ اس نے ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانرواؤں کو مدد کے لیے لکھا' وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئی۔ [1]

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا اور ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح و ظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا' ساتھ کر دیا' کوفہ کے گورنر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ خود جائیں گے تو اندرون عرب بغاوت بپا ہو جائے گی۔ آپ تمام ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے۔ اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا۔ انہوں نے نہاوند پہنچ کر چند میل ادھر منزل کی' مردان شاہ پہلے سے موجود تھا' اس نے پہلے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے۔ نعمان نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مردان شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا' درباری چپ راست تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ مغیرہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے۔ راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت' فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو' ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا' ورنہ تمہاری نعشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا' تمہارا جیسا خیال ہے بیشک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا

[1] ابن اثیر جلد ۳۔

وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح ونصرت ہمارے رکاب میں ہے۔ اس لیے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جاسکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کرلیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔ [1] غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے علاوہ ایسی جنگ نہ ہوئی تھی' مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے' ہزاروں لاشیں خاک وخون میں نہا گئیں۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گرے' زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو۔ چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور وشور کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا' اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آسکے۔ عرب مؤرخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتام جنگ کے بعد معقل رضی اللہ عنہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے' کچھ کچھ جان باقی تھی۔ اس حالت میں بھی زبان سے نکلا ''مسلمانوں کا کیا انجام ہوا'' جواب ملا ''اللہ نے فتح دی'' فرمایا ''الحمدللہ عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دو'' [2] یہ مژدہ سن کر جان' جان آفرین کے سپرد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا۔ فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیئے۔

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے' لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے' یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے' اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان

---

[1] طبری ج ۵' ص ۲۶۰۲۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۱۱' ۳۱۳۔

ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں اس لیے وہ باغی ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تردید کی احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المومنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے جب تک وہ باقی رہے گا اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے اس لیے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے جب تک ہم کو اندرون ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملے گی اس وقت تک یہ صورت قائم رہے گی۔ جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے اس وقت تک خاموشی سے نہ بیٹھیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا تھا۔ [1] اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے اس وقت تک یہ فتنہ وفساد ختم نہ ہوگا۔ اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا سپرد ہوئی اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو فسا کا ساریہ بن زنیم کنانی کو کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمر کو مکران کا حکم بن عمیر کو آذربائیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا۔ یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔

اصفہان

اس سلسلہ میں سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی یہاں کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان میں فوجیں لیے موجود تھا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خونریز معرکہ ہوا۔ شہریار نے مبارزطلبی کی عبداللہ مقابلہ میں آئے۔ شہریار مارا گیا اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسبیدان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت

نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ ہمدان فتح کر چکے تھے۔ ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی نعیم نے بغاوت

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۳۔

فرد کر کے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا' اہل ہمدان نے صلح کر لی لیکن اس کے بعد ہی دیلم' رے اور آذر بائیجان کے رؤسا' ابو نصر خان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے' نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے' وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔ اسی سنہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے قزوین اور زنجان فتح کیے۔

رے وغیرہ کی فتح

وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ پہنچے۔ یہاں کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا' طبرستان' قومس اور جرجان کے امرا سے مدد طلب کی۔ یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے۔ رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا' نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا۔ یہاں قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا' اس خدمت کے صلہ میں نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔

طبرستان

قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے' اس لیے اب طبرستان کا نمبر تھا لیکن مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی۔ اندرونی علاقہ اس صلح میں شامل نہ تھا' اس لیے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچ کر جرجان کے حاکم زرنان سے نامہ و پیام کیا' اس نے جزیہ قبول کر کے صلح کر لی۔ اس مصالحت کی خبر سن کر صوبہ طبرستان کے رئیس اصبہند نے بھی اطاعت قبول کر لی اور ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔

آذر بائیجان

اوپر گزر چکا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد کو آذر بائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا۔ بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے۔ یہ دونوں ۲۲ھ میں آذر بائیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے۔ کوہستان جو میدان میں آذر بائیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس آ رہا تھا' بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا' اسفندیار چونکہ شکست خوردہ آ رہا تھا اس لیے بکیر نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے بکیر سے پوچھا کیا چاہتے ہو' صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح' اسفندیار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو'

بکیر نے روک لیا۔ اسی درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کر لی اور بکیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اسفند یار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دے دی۔ اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا' کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی اور عتبہ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح آذربائیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہوگیا۔ یہ طبری کا بیان ہے۔ [1] بلاذری کے بیان کے مطابق آذربائیجان کو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔

آرمینیہ

آذربائیجان کے بعد آرمینیا کا علاقہ تھا' اس پر شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۲ھ میں حملہ ہوا' لیکن فتح نہ ہوسکا تھا' اس لیے جس زمانہ میں آذربائیجان پر فوج کشی ہوئی' اسی زمانہ میں سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیا پر فوج کشی کی تھی اور اس وقت آرمینیا میں جنگ چھڑی ہوئی تھی' بکیر بن عبداللہ بھی آذربائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیا پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے۔ آرمینیا کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا' چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کرسکتا اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے ہو' اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں' لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو' اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا' انہوں نے کہا جزیہ تو ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے دی' انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔ [2] باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا' بکیر نے موقان والوں کو مطیع بنایا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضاء تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس

فارس پر حملہ کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دریا کے

---

[1] طبری ج ۵' ص ۲۶۶ ومابعد۔ [2] ابن اثیر ج ۳' ص ۱۲۔

خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے' چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے' لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا' لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا' اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا افسوس ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لیے فوجیں بھجوا دیں' انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچا لیا۔ اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے' اہل فارس اس وقت فوج میں جمع تھے لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لیے متعین کر دی گئی تھی' سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے۔ اس لیے اہل فارس بھی فوج سے منتشر ہو گئے۔ ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود' سابور اور اردشیر جیرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کر لیا اور دوسری طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اصطخر کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی۔ عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا۔ اصطخر کے بعد گازرون' نوبند جان' شیراز' ارجان' سینز اور خباب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہو گئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کر کے بغاوت کو قابو میں کیا۔ فارس کے بعض مقامات فساء اور دارابجر وغیرہ رہ گئے تھے۔ ساریہ بن زنیم نے سب سے آخر میں ان پر فوج کشی کی۔ ان کے مقابلہ کے لیے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امنڈ آیا۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی' لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فساء اور دارابجر پر قبضہ ہو گیا۔

کرمان

کرمان کی مہم سہل بن عدی کے متعلق تھی۔ فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا۔ چنانچہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی۔ اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لیے نکلے۔ سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی' یہاں کا مرزبان مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔

سیستان

کرمان کے بعد عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سیستان پر فوج کشی کی۔ اہل سیستان روکنے کے لیے بڑھے۔ مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور دور تک بڑھتے چلے گئے۔ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر کے دریا کا بند کھول دیا۔ سارے سیستان میں سیلاب آ گیا۔ اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے۔ مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گزر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے۔ [1]

مکران

سیستان ایران کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا' چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے' یہاں کا فرمان روا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے مقابلہ میں آیا۔ دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی' اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی۔ حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا' انہوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا: **ارض سهلها جبل ومائو ها وشل و ثمرها وقل وعددها بطل و خيرها شر و شرها طويل والكثير بها قليل** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام۔ صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں۔ یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے۔ چنانچہ مشرق میں یہ فاروقی فتوحات کی آخری سرحد ہے۔ [2] لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ تک فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ خراسان کی مہم احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا متعلق ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح

---

[1] ابن اثیر ج۔۳ ص۔۱۷۔ [2] طبری جلد۔۵' ص۔۲۷۰۷ وما بعد۔

ساسانی حکومت کا دم واپسیں تھی اس لیے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا۔ خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا۔ مقدس آگ ساتھ تھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا۔ اس لیے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مروشاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا۔ مروشاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد مروالروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مرو الروز پہنچ گئے یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا' احنف بھی تعاقب میں پہنچے' یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔ یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگین ہو گیا۔ احنف نے مروالروز واپس ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا۔ اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک' فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف اس وقت مروالروز میں تھے۔ یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا' کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکل گئے۔ احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا' خاقان نے اس سے فال بدلی' اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کیلئے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے' فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں' معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے۔ ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں' عہد کے پابند ہیں' اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے' لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جا رہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔ یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی

وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی [1] اس مصالحت کے بعد احنف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرا خط لکھا۔ آپ اسے لے کر مسجد میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر موثر تقریر کی:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی۔ اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین' ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے۔ اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔ مجھ کو اس امت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے"۔ [2]

شام کی فتوحات

اوپر عہد صدیقی میں گذر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ میں دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ ہوئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں اس کی اطلاع ہوگئی۔ [3] وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے۔ مسلمان باہر منتظر تھے۔ وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے۔ اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وہ سیدھے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو دوسری طرف متعین تھے' پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی' انہیں اس صورت حال کا علم نہ تھا۔ اس لیے صلح قبول کر لی اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ' لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ [4] یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔

اردن کی فتح

دمشق شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ لیکن پھر مسلمانوں کے

[1] طبری جلد۔۵' ص ۲۶۸۲ تا ۲۶۸۸۔ [2] طبری جلد۔۵' ص ۲۶۹۲۔
[3] طبری جلد۔۴' ص ۲۱۵۲۔ [4] طبری جلد۔۴' ص ۲۱۵۳' ۲۱۵۴۔

استقلال کو دیکھ کر انہوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن مفاہمت نہ ہو سکی اور ذی قعدہ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا۔ کل رعایا ذمی قرار دی گئی۔ عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک زمین' مکان' گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کر دی گئیں۔ [1]

حمص وغیرہ کی فتح

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس' حمص اور انطاکیہ تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے' اس لیے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی۔ شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی۔ لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی۔ حمص کے دوران میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حماۃ' شیرز اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے۔ حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لاذقیہ روانہ ہو گئے۔ یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا۔ لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لیے رک جانا پڑا۔

ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش وخروش

دمشق اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا۔ انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں۔ ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد' اسلحہ اور سروسامان ہر چیز میں کم ہیں' پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا' ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں' وہ رات کو عبادت کرتے ہیں' دن کو روزہ رکھتے ہیں' کسی پر ظلم نہیں کرتے' آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں' بدکاریاں کرتے ہیں' وعدہ کی پابندی نہیں کرتے' دوسروں پر ظلم کرتے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۱۔

ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔ [1] مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آ گئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرامین جاری کر دیئے' رومی پہلے سے جذبہ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے' قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان امنڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں

رومیوں کی یہ پرجوش تیاریاں دیکھ کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے افسران فوج سے مشورہ کیا' سب نے مختلف رائیں دیں۔ آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں' چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا' چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی' انہیں واپس کر دی گئی۔ [2] اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔ دمشق میں اجتماع کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی۔ رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور ہر شخص سربکف میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کر دی۔

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا' اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی' اس لیے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں' قریب ہی مقام دیر الجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل آ کر خیمہ زن ہوا۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی' رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے وہ مقدس راہب تک جنہوں نے کبھی حجرہ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا' خانقاہوں سے نکل کر عام سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی' لیکن سب منتخب بہادر تھے۔ ان میں ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ رضی اللہ عنہم تھے' رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا' اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو

---

[1] فتوح الشام ازدی تتمہ ذکر فتح حمص۔ [2] کتاب الخروج قاضی ابو یوسف ص ۸۱۔

گئی۔ التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیا' ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور دوبارہ رومی بڑے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں آئے' آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے' یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے' تین ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ یہ جوش وخروش دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے از سر نو فوجوں کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی۔ مسلمانوں کے صف آراء ہوتے ہی رومیوں نے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار رہا۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ دی۔ چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ [1]

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مژدہ فتح بھیجا' آپ کئی دن سے انتظار میں سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے۔ یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے یوقا' جومہ' سرمین' توزی' قورس' تل عزاز اور دلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لیے اور حلب' قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی اس لیے انہوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی۔

بیت المقدس کی فتح

اوپر گزر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی' انہوں نے نابلس' لد' عمواس اور بیت جبرین وغیرہ فلسطین کے علاقے آسانی سے فتح کر لیے' فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا۔ درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آ جانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے۔ یرموک کے بعد جب رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا۔

---

[1] طبری اور فتوح البلدان ازدی اور بلاذری وغیرہ میں یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہیں ہم نے مختصر ضروری خلاصہ لکھا ہے۔

اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس دوران میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار ہو گئے اور یہ شرط پیش کی کہ امیر المؤمنین خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی' آپ نے منظور فرمالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے۔تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔مقام جابیہ میں انہوں نے آپ کا استقبال کیا۔ان کے بدن پر دیبا وحریر کی پرتکلف قبائیں تھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کنکریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں' فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ [1] بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا۔اس پر تمام معزز صحابہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہو گئے۔یہ عہد نامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا۔اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا تھا' اس لیے بجنسہ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

> ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ ان کو یا انکے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا' نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا' نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا' ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ان یونانیوں میں سے جو شہر سے ملے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے۔جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے' اس کے لیے بھی امن ہے' اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی جائے

[1] طبری جلد ۱' ص ۲۴۰۳۔

مقصود تک نہ پہنچ جائیں۔ اس تحریر پر اللہ' رسول اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس پر خالد بن ولید' عمرو بن العاص' عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم گواہ ہیں' ۱۶ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا'' [1]

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں' جان و مال اور مذہب۔ اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دی گئیں۔ یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے' یونانی گو مسلمانوں کے حریف مقابل تھے لیکن بیت المقدس میں ان کے قیام کی صورت میں ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان' مال اور عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں۔ ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ افسران فوج نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا' فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے' اس لیے انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے بس ہے' اور اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ [2] بیت المقدس میں کئی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قیام رہا۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ امیر المؤمنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹی کھاتے ہیں اور عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا' انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں نہایت ارزاں ہیں' حجاز میں جس قیمت میں روٹی اور کھجور ملتی ہے' یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے۔ اس جواب پر آپ انہیں منع تو نہ کر سکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیوں کی خوراک بھی مقرر کر دی۔ [3] ایک دن آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا' لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ بلال رضی اللہ عنہ جب اذان دینے لگے تو صحابہ کی نگاہوں کے سامنے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سماں پھر گیا۔ سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی۔ [4] حضرت

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۲۴۰۲۔ [2] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔
[3] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔ [4] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔

عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

حمص کی بغاوت

جزیرہ (میسوپوٹامیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا۔ اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے اس لیے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا۔ انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کر دیں۔ دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا ہے۔ عام طور پر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا لیکن بہ روایت صحیح یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ چنانچہ جن مؤرخین نے اسے عام روایت کے مطابق ۱۳ھ میں لکھا ہے وہ بھی ۱۷ھ ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھ دیا ہے لیکن خود ان کی رائے یہی ہے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں **في هذه السنة وهي سنة سبع عشرة عزل خالد بن وليد.** [1]

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کر دیا۔ اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے۔ انہوں نے ان کو فہمائش بھی کی۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی۔ ان کے زمانہ میں بھی یہی روش قائم رہی' آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۲' ص ۲۰۷۔ [2] اصابہ جلد۔۲' ص ۹۹' ۱۰۰۔

میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں۔ اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو' لیکن اس وقت بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے۔ [1] اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے باز پرس کی اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے۔ تو خیانت کی' دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا اس نے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہاں سے دی ہے اس وقت بھی خالد رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا' اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ [2] اس واقعہ سے خالد رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ' دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن دم نہیں مارتا۔ معزولی کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی' داخل کر دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خالد رضی اللہ عنہ! واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں'' اور عمال کو لکھ بھیجا کہ ''میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے کارناموں سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے ان کو معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے''۔ [3]

طاعون عمواس

۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا' اس میں بہت سے مسلمان فوت ہو گئے۔ بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردد پیدا ہوا۔ آپ خود انتظام کے لیے شام روانہ ہوئے' لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جا رہا ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی واپس بلا بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں

[1] اصابہ جلد۔ ۲' تذکرۃ خالد رضی اللہ عنہ۔ [2] طبری ج۔ ۵' ص ۲۵۲۸۔ [3] طبری جلد۔ ۵' ص ۲۵۲۸۔

آ سکتا۔ (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو۔ اس حکم پر انہوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی' منتقل کر دیں۔ (2) ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا' اس لیے جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہیے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میں بھی مذہب کا نشہ تیز تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے۔ اس میں بڑے بڑے صلحا نے انتقال کیا ہے"۔ یہ تقریر کر کے گھر واپس ہوئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا' وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذ رضی اللہ عنہ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا' بالآخر انہوں نے بھی اسی بیماری میں جان دی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا گئے' انہوں نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا۔ اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان فوت ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظام کے لیے دوبارہ شام کا قصد کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔ متوفی مسلمانوں کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا' فوج میں جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں' ان پر نئے عہدہ دار مقرر کیے' سرحدی مقامات میں جا کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے' ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب میں قحط ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظامات کر کے ہزاروں مسلمانوں کو بھوکا مرنے سے بچا لیا۔ (3)

قیساریہ کی فتح

طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا۔ ایک قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا' باقی رہ گیا تھا۔ اس پر کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا۔ بالآخر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں اسے فتح کیا' قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات

شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر

---

(1) مسلم باب الطاعون۔ (2) فتح الباری ج۔۱۰' ص ۱۵۹۔ (3) تفصیل کے لیے دیکھو یعقوبی جلد۔۲' ص ۱۷۷۔

آیا جایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ اس کے علاوہ مصر پر فوج کشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں کم از کم اس کے سرحدی علاقے میں شورش بپا کرا سکتے تھے اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی' آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا لیکن پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے' یہاں کی رومی فوجوں نے روکا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ [1]

فسطاط کا محاصرہ اور فتح

فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا' لیکن یہاں حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا' کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا' فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ [2] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی اور مقوقس قیصر روم کے ماتحت تھا' قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکر گراں قسطنطنیہ سے

---

[1] ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰۔

[2] ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰۔

اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی تسخیر

مقوقس صلح پر قائم رہا۔ اس لیے اب گویا مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا۔ رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لیے ۲۱ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا' راستہ میں جابجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا' مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی۔ [1] اس کے بعد پھر کسی نے راستہ میں روکنے کی جرأت نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ مقوقس فرمانروائے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا' لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا' اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا اس لیے وہ بظاہر مقابلہ میں ڈٹا رہا لیکن خفیہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے طے کر لیا کہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے۔ اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ [2]

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کامیابی نہ ہوئی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی تھی۔ انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی' میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو اس خط پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا۔ اسی وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی۔ [3]

متفرق فتوحات

سکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط واپس آئے۔ اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا۔ لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خارجہ بن حذافہ عدی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا' خارجہ نے فیوم' اشمونین' اخیم' سرمادات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۲۲۷' ۲۲۸۔ [2] خطط مقریزی ج۔ اول' ص ۲۶۳۔

[3] خطط مقریزی ج۔ اول' ص۔ ۲۶۲ میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے۔

تنیس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' وقہلہ' شطاوغیرہ اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگین ہو گیا۔ ❶

طرابلس الغرب کی تسخیر

مصر کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور سب سے اول برقہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا' یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔ ❷ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔ ❸

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ اور آپ کی شہادت

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پارسی غلام ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی' آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں' ابولؤلؤ نے کہا دو درہم روزانہ' پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا آہن گری' نجاری اور نقاشی' فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی' ابولؤلؤ نے دفعۃً بڑھ کر مسلسل چھ وار کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر پڑے' آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز تمام کرائی۔ کچھ لوگ ابولؤلؤ کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے' اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا' مگر آخر میں پکڑا گیا' گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی۔ نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھا کر لائے گئے' پوچھا میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا' فیروز۔ فرمایا الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ زخم نہایت کاری تھا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی اس لیے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لیے مخصوص رکھی تھی' لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان ص ۲۲۴۔ ❷ فتوح البلدان ص ۲۳۱' ۲۳۲۔
❸ تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر جلد ۳' ص ۱۹۔

آئے' آپ نے پوچھا کیا جواب لائے' عرض کیا جو آپ چاہتے تھے' فرمایا سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ ❶

جانشین

اس وقت سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا۔ اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لیے آپ کی وفات سے پہلے صحابہؓ کرام نے آپ سے جانشین نامزد کرنے کے لیے درخواست کی۔ آپ کے لیے یہ مسئلہ ہمیشہ سے اہم تھا اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے' لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی۔ اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے۔ ❷ بالآخر لوگوں کے اصرار پر حضرت علی' عثمان' زبیر' طلحہ' سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی' نامزد کر کے فرمایا' ان میں جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد ان چھ آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں کسی کا انتخاب نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کھولنا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے' لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہو گا۔ کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا۔ ❸

آخری وصیت

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین' انصار' اعراب' اہل عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے' ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ❹ قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے' اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرے بعد

---

❶ مستدرک حاکم جلد ۳' ص ۹۱' ۹۳۔ ❷ یعقوبی جلد ۲' ص ۱۵۴۔

❸ ابن سعد جلد ۳' ق۔ اول' ص۔ ۲۴۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ذکر حالات وفات عمر رضی اللہ عنہ۔

❹ ابن سعد ج ۳' ق۔ اول' ص ۲۴۶۔

میرا قرض ادا کرنا۔ اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا' اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

وفات

ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیر باد کہا' وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ساڑھے دس سال۔

اولاد

وفات کے بعد حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں: عبداللہ' عاصم' عبدالرحمن' زید' مجیر رضی اللہ عنہم ان میں تین اول الذکر اولادیں زیادہ نامور ہوئی۔ اولاد اناث میں ام المؤمنین حفصہ اور رقیہ رضی اللہ عنہما تھیں' آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا۔

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت' محاصل کی فراوانی' انتظامات کی خوبی' جور وظلم کے انسداد' عدل وانصاف اور امن وامان کے قیام' ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف وکمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لیے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں' دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فتوحات پر تبصرہ

آپ کے دس سالہ دور حکومت میں ایران وروم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم وجور کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران وروم کی سلطنتیں کمزور پڑ چکی تھیں کس قدر غلط ہے۔ بلاشبہ سکندر' چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگین کیا' لیکن اسی کے ساتھ زیروزبر کر ڈالا۔ وہ صرف جہانگیر تھے' جہاندار نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران و روم فتح ہوئے' اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکتا۔ چنگیز و تیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے لیکن جب یہ طوفان تھما تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی۔ وہ جن جن ملکوں سے گزرے انہیں ویرانہ بنا دیا۔ اس کے برخلاف عہد فاروقی میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا' ملکوں کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے' ہری ہری کھیتیوں اور شاداب درختوں تک کو نہ کاٹتے تھے۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی۔ پھر مسلمانوں نے جس ملک میں قدم رکھا' اپنے عدل و انصاف اور حسن اخلاق سے اس کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون و مددگار بن گئے۔ انہوں نے قوموں کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا اور بہت سی مفتوح قوموں نے ان کا مذہب بھی قبول کر لیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال ختم ہو چکا تھا' لیکن اس انحطاط کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سروسامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں' رومی اور عجمی اپنے دور انحطاط میں بھی عربوں سے فائق تھے۔ فنون جنگ کی واقفیت' رسد کی فراوانی' آلات جنگ کا تنوع کسی چیز میں عرب ان کے پاسنگ نہ تھے۔ ان کے پاس معمولی آلات اور شکم پری کا سامان نہ تھا۔ ایسی حالت میں عربوں سے ٹکرا کر ان کے پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش عزم' استقلال' ہمت' حوصلہ مندی' دلیری' اخلاق' حمیت' عدل و انصاف' دیانت و راست بازی پیدا کر دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں ایسی جلا دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی کارنامہ

فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت مرتب کر دیئے' ایسا عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دور ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آئندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا۔

شوریٰ

اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو قائم کیا۔ اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔ 1 خاص خاص حالات میں عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے (لَا خَلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَّشُوْرَةٍ.) 2 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ "تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا۔ میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بے جا طور پر جمع کیا جائے اور نہ بے جا طور سے صرف ہونے پائے۔ دوسرے یہ کہ میں تمہارا روزینہ بڑھاؤں' سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں" 3 ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ' میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو۔ روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لیے اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس شوریٰ تھی۔ اس کے ممتاز ارکان یہ ہیں: حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ 4 اس کے علاوہ مہمات امور کے لیے ممتاز مہاجرین وانصار کی خاص مجلس ہوتی تھی۔ ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ معمولی مسلمان بر سر عام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات عام طور سے معلوم ومشہور ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا۔ آپ نے دس سالہ عہد حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا۔ تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر اور فلسطین۔ مشرق میں خراسان' آذربائیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے۔ ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ' میر منشی' دفتر فوج کا میر منشی' کلکٹر' افسر پولیس' خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا' لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی۔ اضلاع میں

---

1 طبری ص ۲۴۵۷۔ 2 کنز العمال ج۔۳' ص ۱۳۹۔

3 کتاب الخراج ص ۶۷۔ 4 کنز العمال ج۔۳' ص ۱۳۴۔

صرف کلکٹر' افسر' خزانہ اور قاضی ہوتے تھے۔ [1] چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی' عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کلکٹر' عبداللہ بن خلف رضی اللہ عنہ میر منشی تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب

دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لیے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لیے نہ مل سکتا تھا۔ اس لیے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجہ کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اس کی شاہد ہیں۔ اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے۔

عمال کے اختیارات فرائض اور ان کا محاسبہ

انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے۔ اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی' جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا' وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ [2] کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا' باریک کپڑے نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازہ پر دربان نہ رکھے گا' اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ [3] عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دی جاتی تھی' واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ [4] تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے۔ [5] چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا فوراً تدارک فرماتے تھے۔ حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے اس لیے شکایت معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور

---

[1] طبری ص ۲۶۴۔ [2] طبری ص ۲۷۴۷ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان۔

[3] کتاب الخراج ص ۶۶۔ [4] فتوح البلدان ص ۲۲۶۔ [5] طبری ص ۲۶۸۰۔

ہیں۔ ❶ کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے' عمال کو ترفع اور شان عجب وغرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے۔ جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے' اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتا پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ ❷ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دیں' عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا۔

صیغۂ عدالت

ابتدا میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے' لیکن جب پورا انظام قائم ہو گیا تو قضا کا محکمہ مستقل کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ قاضی مقرر کیے اور قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا' جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''امابعد! قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں' اپنی مجلس میں' اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور معزز آدمی کو رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو' جو شخص دعویٰ کرے' اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو' جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کیلئے ایک میعاد مقرر کر دو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ' ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو۔ ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو' یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں'' ❸

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

''مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر قرآن میں وہ صورت

❶ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور ص ۶۶۔

❷ کتاب الخراج ص ۶۶۔ ❸ یہ فرمان طبقات الفقہا وبیہقی اور ماوردی بہت سی کتابوں میں ہے۔

مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو۔ اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو"۔ [1]

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لیے انہی بزرگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا علم، تقویٰ، ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، کوفہ کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح۔ دوسرے مقاموں کے جمیل بن العمر ابومریم حنفی رضی اللہ عنہ، سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ربیعہ رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ابوقرہ کندی وغیرہ۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہوسکتا ہے۔ کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے۔

رشوت کے انسداد کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم تھی۔ [2] یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا [3] ان احتیاطوں کے ساتھ قضاۃ کے اصل مقصد یعنی عدل وانصاف میں مساوات کے لیے عملی کوششیں کیں۔ قضاۃ کو عدل ومساوات کا سبق دینے کے لیے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ نزاع ہوگئی۔ ابی رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ زید نے تعظیم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے ابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہوسکتے۔ [4]

---

[1] کنز العمال ج۔۲، ص ۱۷۴۔ [2] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج۔۳، ص ۲۴۷۔

[3] اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع۔ [4] کنز العمال ج۔۳، ص ۱۷۴۔

آپ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ واعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا۔ ارکان حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عہدہ داران حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہیں' فرمایا اٹھ کر بدلہ لو۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہیں بر سر عام عمال حکومت کی توہین ناگوار ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا "امیر المؤمنین! اس طرز عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے" فرمایا لیکن میں ایسا ضرور کروں گا اور مستغیث کو حکم دیا کہ اپنا کام کرو' آخر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آ جائے۔ [1] اپنے بیٹے ابوشحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑے مارے۔ اس کے چند دنوں کے بعد وہ قضا کر گئے۔ [2] قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے۔ [3] اس قبیل کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے۔

پولیس

قیام امن کا مدار پولیس پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا۔ پولیس کو احداث کہتے تھے۔ قیام امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی۔

جیل خانے

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا۔ غالباً اسی کی تلافی کے لیے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل خانے قائم کیے۔ مکہ میں صفوان بن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ [4] اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ [5] جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں' مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کی بجائے قید کی سزا مقرر کی۔

صیغۂ محاصل

---

[1] کتاب الخراج ص ٦٦۔ [2] ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں سمجھتے دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۳٦ و مابعد۔ [3] ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون۔

[4] مقریزی ج ۲' ص ١٨٧۔ [5] فتوح البلدان ص ۲٦٨۔

عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی' اس لیے وہ خراج و محاصل کے نظم و نسق سے نا آشنا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا' لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے' اس لیے ابتدا میں اس کی مخالفت ہوئی' چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرا فوج نے اس کی مخالفت کی۔ ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر کے دے دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے' اس لیے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا۔ اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا' زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مال گزاری تشخیص کر دی گئی۔ اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی۔ شاہی خاندان کی جاگیروں' آتش کدوں کے اوقاف' لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینوں پر اتنی مال گزاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اس کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی۔ [1]

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا' بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہ قائم رکھا گیا۔ مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا' لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کیلئے جو رسد لیتی تھی اسے موقوف کر دیا۔ مصر کی پیداوار کا دارومدار دریائے نیل پر ہے۔ اس کے مد و جزر کے تناسب سے پیداوار میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اور چونکہ یہ مد و جزر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا اس لیے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ میں عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہیں۔ ہم نے صرف ضروری باتیں لکھی ہیں۔

شرح معین نہ تھی۔ ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی۔ نقدی مال گزاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اروب غلہ سے زیادہ نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس میں کبھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ شام میں قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور بہت سی اصلاحیں کیں۔ مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکان دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم تھا۔ ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا۔ مدتوں یہ قانون جاری رہا۔ عباسی دور میں لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور نافع بن یزید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ مذاہب نے اس پر اعتراض کیا [1] ان ممالک کے آباد شدہ عربوں کیلئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا۔ ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ [2] زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی' لیکن لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا۔ اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی

زراعت کی سیرابی کے لیے نہریں جاری کیں۔ بند باندھنے' تالاب بنانے' پانی کی تقسیم کے لیے دہانے بنانے' نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا۔ مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام میں لگے رہتے تھے [3] نہروں کے حالات آئندہ آئیں گے۔

اور مختلف قسم کی آمدنیاں

---

[1] مقریزی جلد اول حالات خراج مصر میں اس کی پوری تفصیل ہے ص ۱۵۸ تا ۱۶۲۔

[2] حسن المحاضرہ جلد ۱' ص ۹۳۔ [3] حسن المحاضرہ جلد ۱' ص ۷۲۔

خراج کے علاوہ آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے: زکوٰۃ جس میں چاندی' نقد' سکہ' مویشی' تجارتی سامان وغیرہ سب قسم کی زکوٰۃ کی آمدنیاں شامل تھیں۔ خراج غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اور مال غنیمت اور زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ عشور تجارتی ٹیکس تھا۔ اس کو اسلام میں سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی سامان لے کر جاتے تھے' ان سے وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس لیتی تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیرونی تاجروں کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا۔ ذمیوں کے لیے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لیے ڈھائی فیصدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں نہایت ممتاز ہے اس لیے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی۔ جزیہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بیت المال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال قائم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی' لیکن آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی تھی اس کو ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس لیے اس کے معمور ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کیے اور ان کے لیے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت لائق اور دیانت دار افسر مقرر کیے۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے' کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' اصفہان کے خالد بن حرث رضی اللہ عنہ' کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔ [1] بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی۔ یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال بھیج دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے' چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو۔ [2]

[1] طبری حالات آبادی کوفہ۔ [2] کنز العمال ج۔۳' ص ۱۶۳۔

صیغہ فوج

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش وانصار کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلاف مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں، جن کی مقدار دو سو بیس درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار سالانہ تھی۔ [1] تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے۔ جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی، ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی ملتی تھی ان میں دو قسم کے تھے ایک جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے۔ یہ گویا باقاعدہ فوج تھی۔ دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہتے تھے اور ضروریات کے اوقات میں طلب کیے جاتے تھے۔ انہیں ہم آج کل کی اصطلاح میں رضا کار کہہ سکتے ہیں، لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں۔ سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں جند کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، بلکہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط فوجی ضرورت ہی کیلئے آباد کیے گئے تھے۔ ان مرکزوں میں صیغہ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے:

① فوجوں کے لیے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز وسامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے۔ [2]

② ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں، مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ [3] عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا۔

③ فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفتر انہی مقامات پر رہتے تھے۔

④ رسد کے ذخیرے یہیں تھے، جہاں سامان رسد جمع کیا جاتا تھا اور یہیں سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا۔

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی، بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں۔ خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں۔ عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں از سر نو ان کو تعمیر کرایا، جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی

---

[1] کتاب الخراج ص۔۲۴، مقریزی جلد اول ص۔۹۲، بلاذری ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

[2] طبری ص۲۵۰۴۔

[3] چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفاء میں ہیں۔

جاتی۔ [1] سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور جداگانہ انتظام کیا۔ اس صیغہ کے افسر اعلیٰ عبداللہ بن قیس تھے۔ [2] ضروری مقامات میں جا بجا قلعے بنوائے۔ فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین وانصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہو گیا۔ تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا۔ [3] فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لیے کھلے ہوئے تھے' اس میں عجمی' رومی' یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے۔ جن کا ذکر فتوحات کے حالات میں ملتا ہے۔ سپاہیوں کی تنخواہ کم سے کم دو سو سالانہ سے تین سو تک تھی اور افسروں کی سات ہزار سے دس ہزار تک' فوجیوں کے بچوں کے لیے علیحدہ وظیفے مقرر تھے۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ مہینہ میں خوراک کیلئے ایک من غلہ' بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا لیکن پھر بعد میں تو کھانا ملنے لگا تھا۔

ابتدا میں رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا' جس کا نام اہراء تھا۔ [4] مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت میں' پھر نقد کی صورت میں رسد کے لیے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی۔

فوج کی صحت وتندرستی اور آرام وآسائش کا خاص اہتمام تھا۔ ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز وشاداب مقام پر چلی جایا کریں۔ [5]

چھاؤنی کے انتخاب میں آب وہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے لیے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے' گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی۔ فوجوں کے لیے شہسواری' تیر اندازی' تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی۔ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا آرام کے لیے ملتا تھا۔ ہر چہار مہینہ میں رخصت ملتی تھی۔

فوج کا اسٹاف

افسر خزانہ' محاسب' مترجم اور طبیب وجراح پر مشتمل تھا۔ [6] سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے'

---

[1] فتوح البلدان ص۔ ۱۳۵ تا ۱۵۷۔　[2] طبری جلد۔ ۵' ص ۲۵۲۳۔
[3] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۳۱۔　[4] فتوح البلدان ص ۲۱۵۔
[5] طبری ص ۲۴۸۲۔　[6] طبری ص ۲۲۲۵۔

سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی۔ [1] خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے' جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ [2] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں، ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا۔ ان کے علاوہ شعبہ فوج کی اور بہت سی تفصیلات ہیں' جنہیں طوالت کے خیال سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

شعبہ تعلیم

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی اشاعت کی۔ مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے اس لیے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔ عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ [3] ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا' چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ شام بھیجے گئے۔ [4] انہوں نے حمص' فلسطین اور شام میں درس جاری کیا۔

بدوؤں کیلئے قرآن کی تعلیم الگ گونہ جبری تھی۔ ایک معلم ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے۔ جس کو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے۔ [5] سورۂ بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا جن میں احکام ہیں' یاد کرنا ضروری قرار دیا۔ [6] قرآن کریم صحیح پڑھنے اور اعراب کی تصحیح کے لیے ادب و عربیت کی تعلیم کی تاکید کی۔ [7] جو لوگ لغت کے مالک نہ ہوں انہیں قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کر دی۔ قرآن کے طلبا کے وظائف مقرر کیے۔ [8] ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہو گئے۔

حدیث کی خدمت

---

[1] مقریزی جلد اول ص ۱۶۳۔　[2] طبری ص ۸۔　[3] سیرۃ العمرین لابن جوزی۔

[4] کنز العمال جلد اول ص ۔۲۸۱ و اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔　[5] اصابہ تذکرہ اوس بن خالد۔

[6] کنز العمال جلد اول' ص ۲۲۱۔　[7] کنز العمال ج ۔ا' ص ۲۲۸۔　[8] کنز العمال ج اول ص ۲۱۷۔

کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش' حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ' معقل بن یسار رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کو شام بھیجا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔ [1]

مسائل اور احکام کی احادیث کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے۔ آپ کے فرامین میں احادیث بکثرت ملتی ہیں۔

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیث نبوی معلوم ہے۔ اس طریقہ سے حدیث کا معتد بہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائل بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں۔ اور ایک صحابی سے بھی اس طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک انسان سے۔ اسی لیے اشاعت حدیث کے ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت کو قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو شہادت میں پیش کیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑا۔ [2] اسی طریقہ سے سقط (یعنی حاملہ کو ایسا صدمہ پہنچانا جس سے حمل گر جائے) کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمہ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا۔ [3] اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں۔

لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے' چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو درداء انصاری اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہم کو روایت حدیث سے روک دیا تھا' آپ کی اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا۔ [4]

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ٦۔ [2] مسلم باب الاستیذان۔

[3] ابوداؤد باب دیۃ الجنین۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج۔ ا ص۔ ٦۔

ایک بڑی نکتہ سنجی آپ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا' چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جس کا تعلق عبادات' معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا' باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں' لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔

فقہ کی خدمت

عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے' خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی' بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے۔ خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے۔ اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے۔ یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ [1] عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہا اور معلم مقرر کیے۔ صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ [2] ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں۔ غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔

تعمیر مساجد

مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ [3] کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد علیحدہ تعمیر کرائی۔ روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے۔

تبلیغ اسلام

[1] کتاب الخراج ص ۶۷۔ [2] اسد الغابہ ترجمہ عبدالرحمن بن مغفل۔

[3] مقریزی جلد ۲' ص ۲۴۶ و حسن المحاضرہ ص ۱۲۳' ج ۲۔

بحیثیت خلیفہ رسول کے سب سے مقدم فرض اسلام کی تبلیغ تھا۔ آپ نے اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی لیکن جبر سے نہیں بلکہ اسلام کے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ آپ جبری اسلام کے خلاف تھے۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[٢/البقرة:٢٥٦] کہہ کر چھوڑ دیا۔ 1 آپ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلیں اختیار کیں۔ جب کسی ملک پر فوج کشی ہوتی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کو جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو۔ تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والوں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم وارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں۔ شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا۔ 2 مصر کے شہر شطاء کا ایک معزز رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ 3 دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا بشپ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ 4 اس کے علاوہ فاروقی عہد میں اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومیں مسلمان ہوئیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان مؤرخین نے اشاعت اسلام کے مستقل حالات نہیں لکھے ہیں، صرف ضمناً جا بجا اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

جلولاء کی فتح کے بعد یہاں کے متعدد بڑے بڑے امرا اور رؤسا نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔ 5 قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہو گیا۔ 6 یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سیاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ مسلمان ہو گا۔ ان کے اسلام سے سیابجہ، زط اور اندغار کئی قومیں جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں، مسلمان ہو گئیں۔ 7 مصر کے قصبہ بلہیب کے کل باشندے مسلمان ہو گئے۔ 8 دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور وارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ 9 شہر فسطاط میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آباد ہوا مسلمانوں کے کئی محلے تھے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

---

1 کنز العمال ج ۵، ص ۴۹۔ 2 طبری ص ۲۰۹۸۔ 3 مقریزی جلد اول ص ۲۶۶۔

4 معجم البلدان جلد ۷، ص ۳۷، ذکر قنطرہ سنان۔ 5 فتوح البلدان ص ۲۷۴۔ 6 فتوح البلدان ص ۲۸۹۔

7 فتوح البلدان ص ۳۸۲۔ 8 مقریزی جلد اول ص ۱۶۶۔ 9 مقریزی ج اول ص ۱۸۴۔

حرم کی توسیع

حرم محترم کی عمارت تنگ تھی۔ ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھنچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا۔ 1 کعبہ پر نطع کا (جو ایک معمولی کپڑا ہے) غلاف چڑھا کرتا تھا۔ آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا۔ 2

مسجد نبوی کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع کی' ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا۔ پہلے مسجد کا طول سو گز تھا۔ اس تعمیر میں بیس گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آ کر باتیں کریں۔ 3

رفاہ عامہ کے کام

حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت سے کام ہوئے۔ زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات کے لیے متعدد نہریں کھدوائیں' ان میں سے بعض یہ ہیں:

نہر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ

بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے گھر گھر پانی کا افراط ہو گیا۔ 4

نہر معقل رضی اللہ عنہ

دوسری نہر حضرت معقل رضی اللہ عنہ کے اہتمام میں تیار ہوئی۔

نہر سعد رضی اللہ عنہ

یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھدوائی تھی۔ لیکن درمیان

---

1 بخاری باب بنیان الکعبہ واحکام السلطانیہ ص ۱۵۴۔
2 فتوح البلدان ص ۵۴۔
3 خلاصۃ الوفا ص ۱۳۲'۱۳۳۔
4 فتوح البلدان ص ۳۶۵

میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے نامکمل رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں پوری ہوئی۔

نہر امیر المؤمنین

سب سے بڑی نہر، نہر امیر المؤمنین تھی۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے۔ اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ [1]

بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ تاریخوں میں کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانوں کی تفصیل ملتی ہے۔ [2]

سڑک اور پلوں کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ عموماً مفتوحہ قوموں کے معاہدہ میں شرط ہوتی تھی کہ وہ پل اور سڑک بنائیں گی۔ طبری نے ۱۶ھ کے ایک معاہدہ میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ کاشتکار سڑک اور پل بنائیں گے اور بازار لگائیں۔ [3] کتاب الخراج میں بھی اس قسم کا معاہدہ مذکور ہے۔ [4] سیوطی نے لکھا ہے کہ پلوں کی تعمیر، نہروں کی صفائی اور اس قسم کے بعض دوسرے کام بیت المال کے صرف سے انجام پاتے تھے۔ [5]

مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے۔ لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے۔ ۱۷ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ [6]

عدل ومساوات

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا۔ اس کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی صلاح وفلاح کی فکر ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ آپ کے ایوان عدالت میں شاہ و گدا، ادنیٰ واعلیٰ، خویش و بیگانہ اور مسلم وغیر مسلم سب برابر تھے۔

---

[1] اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی میں ہیں۔

[2] فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔

[3] طبری ص ۲۴۷۰۔

[4] کتاب الخراج ص ۸۰۔

[5] حسن المحاضرہ جلد۔۱، ص ۶۳۔

[6] طبری ص ۲۵۲۹۔

غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل

کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و انصاف کا نمونہ تھا۔ عرب کی ہمسایہ دو حکومتیں تھیں۔ روم اور فارس یہی دونوں حکومتیں فاروقی عہد میں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں۔ ان دونوں حکومتوں کا طرز عمل خود اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلاموں سے بدتر تھا تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر۔ لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں تو دفعۃً ان کی حالت بدل گئی اور انہیں ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی۔ کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ جان' مال اور مذہب۔ ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں' وہ سب انہی کے ماتحت میں آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے:

> ''یہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی' نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔'' [1]

یہ حقوق صرف ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں۔ اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کی جان' مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے' ان میں سے کسی شے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ [2] آذربائیجان کے معاہدہ میں ہے کہ جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔ [3] موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے۔ صرف چند بطور مثال لکھ دیئے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً عمال کو ان کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فاتح شام کو لکھا:

> ''مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے' ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے

---

[1] طبری فتح بیت المقدس۔ [2] طبری ص ۲۶۵۸۔ [3] طبری ص ۲۶۶۲۔

سے روکو اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو'' ۔ ❶

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قصاص لیتے تھے' ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ❷

ذمیوں کے املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔ ❸ اوپر گزر چکا ہے کہ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہوگئی۔ ❹ اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے' چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ ❺

جزیہ کی بحث

اس سلسلہ میں ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہ لیا جاتا تھا لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا۔ ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور مسلمان اس کے لیے مجبور تھے۔ اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا۔ چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

''ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا'' ۔ ❻

آذربائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا

''جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا۔'' ❼

چنانچہ جب کبھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔ ❽

❶ کتاب الخراج ص ۸۲۔ ❷ الدرایہ فی تخریج الہدایہ۔ ❸ کتاب الخراج ص ۶۸۔
❹ کتاب الخراج ص ۶۸۔ ❺ کتاب الخراج ص ۶۵۔ ❻ طبری ص ۲۶۶۸۔
❼ طبری ص ۲۶۹۰۔ ❽ طبری ص ۲۴۹۷۔

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ میں جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار افواج نے شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے گا۔ [1] غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا۔ مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو دینے پڑتے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی۔ جہاں کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو جاتا آپ سختی سے روکتے تھے۔

شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ سبب پوچھا' معلوم ہوا کہ جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے۔ پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے۔ فرمایا چھوڑ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔ [2] نادار' بے کس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی۔ حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ:

> ''اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے' یا کوئی آفت آئے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا''۔ [3]

یہ معاہدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا۔ آپ نے اسے قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہیں' یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ کلام اللہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ [۹/التوبۃ:۶۰] میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔ [4]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳ و کتاب الخراج ص ۸۱۔
[2] کتاب الخراج ص ۷۱۔
[3] کتاب الخراج ص ۸۵۔
[4] کتاب الخراج ص ۷۲۔

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے یہ تھا کہ:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے' یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے' اسے پورا کیا جائے' ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے'' [1]

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا' لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات کی جانب سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی۔ کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں دقت نہ ہو۔ روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو' آزادی سے کہہ سکے۔ چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے۔ اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے۔ [2] باہر سے جو وفود آتے تھے تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے۔ اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا۔ آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کیلئے تشریف لے گئے۔ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ پاس جا کر اس کی ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے' تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو پھر بچے کو روتے پایا۔ ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے۔ اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے، خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے' اس لیے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں، اس پر وہ روتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا! ہائے عمر (رضی اللہ عنہ) نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا اور فوراً منادی کرا دی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہو اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے' دیکھا کہ ایک عورت کچھ

---

[1] یہ وصیت حدیث کی کئی کتابوں میں ہے۔ [2] کنز العمال ج۔۲' ص ۳۲۰۔

پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچے فاقے سے ہیں۔ ان کو بہلانے کے لیے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ یہ سن کر آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا' گھی' گوشت اور کھجوریں لیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دو۔ اسلم نے عرض کیا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے' غرض کل سامان خود اٹھا کر عورت کے پاس لے گئے اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا خود بیٹھے رہے' عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے۔ شام کے سفر میں ایک ضلع میں قیام کر کے لوگوں کی شکائتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا۔ قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر (رضی اللہ عنہ) کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے' مجھ کو اس کے یہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمر (رضی اللہ عنہ) کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے' بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے' یہ سن کر آپ رو پڑے۔ رعایا کی تکلیف پر خواب وخور حرام ہو جاتا تھا۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا' تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ گوشت' مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیئے۔ نہایت خشوع وخضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ الٰہی! میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدی کو تباہ نہ کر' آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی' اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہو گا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہو جائیں گے۔ [1]

قحط کے اثرات کو روکنے کے لیے بیت المال کا کل نقد وجنس صرف کر دیا اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا۔ ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اروب غلہ تھا۔ اس کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ جار پر تشریف لے گئے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے بقید یا باقاعدہ نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کیے۔ ہر شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دستخط شدہ ایک چٹ دی جس کے مطابق غلہ ملتا تھا۔ [2] اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے۔ [3] یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا' عام حالات میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے' چنانچہ

[1] یہ تمام واقعات کنز العمال ج۔ ۶' ص۔ ۳۲۶ ومابعد حالات عمر میں ہیں۔

[2] یعقوبی جلد۔ ۲' ص ۱۷۷۔ [3] کنز العمال جلد۔ ۶ ص ۳۴۳۔

ملک میں جس قدر معذور و مجبور اور از کار رفتہ آدمی تھے۔ بلا قید ملت و مذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے' غیر مسلم معذوروں کے وظائف اور خبر گیری کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ لقطہ یعنی لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انہیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں' ایسے بچوں کے لیے ابتدا میں دو سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ [1] جو یتیم صاحب مال جائیداد ہوتے تھے۔ ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا' غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث محتاج' معذور اور از کار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا' یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی۔

مساوات

اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا۔ اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی۔ امیر المؤمنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں' ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا' آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر۔ [2]

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے۔ یہ امتیازی شان دیکھ کر ابی رضی اللہ عنہ کو کوڑا لگایا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔ [3]

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ ابن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا۔ طواف میں اس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا' جبلہ نے اسے تھپڑ مارا۔ اس شخص نے برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی' آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ نے پندار امارت میں کہا ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] یعقوبی جلد ۲' ص ۱۷۱۔　[2] کنز العمال جلد ۶ حالات عمر رضی اللہ عنہ۔

[3] مسند دارمی ص ۷۱' ابن سعد تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ۔

فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا' لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے عار ہے۔ غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے۔ ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی۔ [1] غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کیے' اس قبیل کے دو چار نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برسر عام ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

بیت المال کی حفاظت

مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا انتظام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے۔ بیت المال کا ایک ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا۔ اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے درج رجسٹر کراتے تھے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکلے۔ عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو' ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا' امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں' کسی غلام کو حکم دے دیجئے' وہ ڈھونڈ لائے گا فرمایا (ای عبد اعبد منی) یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ [2]

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے' لیکن اس میں آپ کا حصہ صرف بقدر کفایت روزینہ تھا' اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے' لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا' بہت معمولی سی چیز تھی

---

[1] طبری ص ۲۷۷۵۔ [2] کنز العمال ج ۶' ص ۳۵۴۔

لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لیے ہوئے اسے لینا طبیعت نے گوارہ نہ کیا۔ مسجد نبوی میں جا کر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔ 1

ایک دفعہ مال غنیمت آیا آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آ کر عرض کیا امیر المؤمنین میرا حق مجھ کو دیجئے میں ذوی القربیٰ میں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے' یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔ 2 آپ کو اپنے مرحوم بھائی زید رضی اللہ عنہ کی بچی سے والہانہ محبت تھی' ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی۔ آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے' اس لیے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔ 3

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی کو بلا کر فرمایا' گو عطر تمہارا تھا' لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے' یہ کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔ 4

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچہ کو دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا' تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔ 5

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا' اب فربہ ہو گیا ہے' اس لیے بیچتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد

1 طبقات ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص ۱۹۸۔ 2 کنز العمال ج۔۶' ص ۳۵۰۔
3 کنز العمال ج۔۶' ص ۳۴۸۔ 4 کنز العمال ج۔۶' ص ۳۵۶۔ 5 کنز العمال جلد۔۶' ص ۳۵۷۔

قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ ❶

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قرض مانگا۔ انہوں نے کہا آپ امیر المؤمنین ہیں' بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں' آپ نے فرمایا میں بیت المال سے نہیں لوں گا' کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر جائے گا اس لیے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔ ❷ اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں۔

فضل وکمال

ذاتی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت ذہین' طباع' بالغ نظر' مدبر اور صاحب رائے تھے۔ جاہلی اور اسلامی دونوں علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت و بلاغت' انشاء و خطابت' شاعری ولسانی' سپہ گری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف وکمالات میں جو عرب میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے' آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں کتابوں میں محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے' خود بھی شعر کہتے تھے' مگر بہت کم۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار نقل کیے ہیں لیکن ناقد اور سخن سنج بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے۔ ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور اداشناس تھے۔ ❸ مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے۔ ❹ س عرب کے تمام بڑے بڑے شعرا کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ امراء القیس' نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپ نے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی' عربی شعرا اشعار میں علانیہ عورتوں کے نام لے کر اپنی عشق ومحبت کی داستانیں بیان کرتے تھے' کسی شریف آدمی کی ہجو کہہ دینا معمولی بات تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کر دی۔ ❺

آپ کے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے۔ یہ فن آپ نے انہی سے سیکھا تھا۔ چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔ ❻ لکھنے پڑھنے کا

---

❶ کنز العمال جلد۔ ۶' ص ۳۵۷ ❷ ابن سعد جلد۔ ۳' ق۔ ۱' ص ۱۹۹۔
❸ کتاب العمدہ ص۔ ۱۳۔ ❹ کتاب البیان والتبیین ج۔ ۱' ص ۹۷۔
❺ اسعد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور۔ ❻ کتاب البیان والتبیین ج۔ ۱' ص ۱۱۷۔

ذوق آپ کو ابتدا سے تھا اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش میں صرف سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے۔ [1] مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ [2]

ذہانت طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا۔ متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ اسیران بدر کے ساتھ طرز عمل، ازواج مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ کے پردہ، شراب کی حرمت اور مقام ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو مصلی بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ [3] ذہانت طباعی نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا۔ آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی۔ علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی۔

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے۔ جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھتے۔ کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تنگ آ کر فرمایا کہ اس بارہ میں سورۂ نساء کی آخری آیت کافی ہے۔ [4] اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباط احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے بعض اوپر گزر چکی ہیں۔ اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایہ صحابہ میں نہیں ہے، آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے، لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی۔ کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لیے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے۔ اپنے زمانہ میں انہوں نے جتنے احکام صادر فرمائے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے۔ البتہ احتیاط کی بنا پر ان کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب منسوب نہیں کیا۔ احادیث نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جو خدمت انہوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

---

[1] بلاذری ص ۴۷۷۔ [2] مسند دارمی ص ۶۲۔ [3] یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں۔
[4] تفسیر ابن جریر ج ۶، ص ۲۵۔

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے' آپ نے انہیں اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا۔ آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ [1] اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی بلکہ تفریع و استنباط مسائل کے اصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد و فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے' غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ آپ کے علمی کمالات کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مقصود اختصار ہے' اس لیے تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

سیرۃ الفاروق

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے۔

خشیت الٰہی

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ اللہ کا خوف آپ کے رگ و پے میں جاری وساری تھا۔ اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔ [2]

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا' کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ [3]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا' کیوں ابوموسیٰ تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام' ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر پر چھوٹ جائیں' نہ عذاب ملے نہ ثواب۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں۔ ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں۔ اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے' میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔ [4]

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۳۔ [2] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۴۵۔
[3] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۴۵۔ [4] بخاری باب ایام الجاہلیہ۔

آیات قرآنی سے تاثر

نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا۔ انہیں پڑھ کر زار وقطار روتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی۔ جان' مال' اولاد' ہر محبوب چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا اللہ کی قسم میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) ام المؤمنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر غلبہ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہو گئی تھی اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آ جاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے۔ شام کے سفر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ [2] وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گو عرب کی سرزمین میں سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے۔

متعلقین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے' جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المؤمنین کے آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم' پھر ان میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا' اس کے بعد بنی امیہ بن عبد شمس پھر بنی نوفل بن عبدالعزیٰ۔ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔

---

[1] فتح الباری ج۔۹' ص ۲۵۱۔ [2] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس۔

سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھیں۔ اگرچہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ان میں سے نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو بدری صحابی تھے' زیادہ مقرر کی' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو تجھ سے اور اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے' عبادات و معاملات کا ذکر نہیں' روزانہ کی زندگی میں اتباع سنت کا پورا اہتمام تھا۔ عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے تو ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو اللہ تم کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دے گا۔ [2] وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جان پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کی زندگی بھول گئیں' اللہ کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ [3]

زہد وقناعت

آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد وقناعت اور سادگی وتواضع ہے۔ آپ کا زہد اکابر صحابہ میں مسلم تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد وقناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا' اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں' قیصر وکسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے' خالد رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہو رہی ہے۔ فاتح ایران ومصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا

---

[1] کتاب الخراج ص۔۲۴' ۲۵۔ [2] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۵۴۔ [3] بخاری باب الزہد۔

ہوا کرتا ہے' سر پر پھٹا ہوا عمامہ' پاؤں میں بوسیدہ چپل' اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش خاک پر نیند آ گئی ہے۔ [1] ابن سعد اور کنز العمال میں آپ کے زہد کے بہت سے واقعات ہیں۔

سادگی

سفر میں بھی خیمہ وخرگاہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ جہاں منزل ہوتی درخت کے سایہ میں پڑے رہتے۔ [2] آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان وشوکت ڈھونڈتی تھیں' آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔ شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔

احتساب نفس

جب کبھی دل میں عجب وغرور کا شائبہ پیدا ہوتا تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے۔ ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا' صاحبو! میں ایک زمانہ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لیے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلے میں چھوہارے دیتے تھے' وہی کھا کر میں زندگی بسر کرتا تھا' یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے' لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی۔ آپ نے خود ہی جواب دیا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا' یہ اس کی دوا تھی۔ [3]

مزاج

مزاج فطرۃً تیز وتند واقع ہوا تھا۔ اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے۔ اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی۔ بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے' پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا۔ درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی۔ وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی تند مزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حمایت حق کے ہیں ورنہ اپنی ذات کے لیے وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے۔ معاملات ملکی میں لوگ اختلاف کرتے

---

[1] دیکھو ابن سعد ج۔۲ حالات عمر رضی اللہ عنہ وکنز العمال ج۔۶' ص۔۳۴۵ ومابعد۔

[2] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۲۰۰۔ [3] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۲۰۰۔

تھے' معمولی معمولی باتوں پر ٹوکتے تھے لیکن آپ کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نرم ہو جاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

ذریعہ معاش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا' خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمائی تھی اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی لیکن یہ دونوں زمینیں انہوں نے کارخیر کے لیے وقف کر دی تھیں۔ خلافت کے بعد بقدر کفایت وظیفہ مقرر ہوا۔ پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ ان کا بھی پانچ ہزار مقرر رہا۔

غذا اور لباس

لیکن زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے گزارہ کے لیے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی۔ اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہو جائے گی تو نہ لیں گے۔ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔ [1] آپ کے لباس میں صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے۔ ان میں بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے۔ [2] ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بارہ میں گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔

ان ہی کپڑوں میں برسرعام نکلتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے' میں نے شمار کیا تو ان کے تہہ بند میں بارہ پیوند تھے۔ [3] کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ [4] ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے کہا' امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو فارغ البال کیا ہے۔ آپ کے پاس بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے ہیں' اس لیے آپ کو اپنی زندگی میں تغیر کرنا چاہیے' فرمایا افسوس تم دونوں امہات المومنین

[1] ابن سعد ج۔۳' ق۔ا' ص ۱۹۸۔ [2] ابن سعد ج۔۳' ق۔ا' ص ۲۳۷۔
[3] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۴۷۔ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۷۔

ہو کر دنیا کی ترغیب دیتی ہو۔ عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئیں' جب کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسے آپ دن میں بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے' حفصہ رضی اللہ عنہا تم کو یاد نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے فرش کو دوہرا بچھا دیا تھا۔ اس کی نرمی کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے اور جب بلال (رضی اللہ عنہ) نے اذان دی' اس وقت آنکھ کھلی اور آپ نے فرمایا حفصہ تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی راحت سے کیا علاقہ' تم نے فرش کی نرمی کی وجہ سے مجھے غافل کر دیا۔ [1] غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے' کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے۔ ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ۔ عتبہ نے عرض کیا' امیر المؤمنین اگر آپ اپنے کھانے' پینے' پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی۔ فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ [2]

اولیات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں' مؤرخین انہیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے: (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔ (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔ (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ (۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔ (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۷) دفتر مال قائم کیا۔ (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا۔ (۹) مردم شماری کرائی۔ (۱۰) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی۔ (۱۱) نہریں کھدوائیں۔ (۱۲) شہر آباد کرائے۔ (۱۳) ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا۔ (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔ (۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔ (۱۷) درہ کا استعمال کیا۔ (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔ (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی۔ (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔ (۲۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔ (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے

---

[1] کنز العمال ج ۔ ۶' ص ۳۵۰۔ [2] کنز العمال ج ۔ ۶' ص ۳۴۸۔

بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روز ینے مقرر کیے۔ (۲۵) قائدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ (۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روز ینے مقرر کیے۔ (۲۷) مکاتب قائم کیے۔ (۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاعرے مقرر کیے۔ (۲۹) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی۔ (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا۔ (۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ (۳۲) فجر کی اذان میں ((اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ)) کا اضافہ کیا۔ (۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔ (۳۴) تین طلاقوں کو اگر ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا۔ (۳۵) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی۔ (۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ (۳۷) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کی بجائے زکوٰۃ مقرر کی۔ (۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔ (۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا۔ (۴۰) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔ (۴۱) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۴۲) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا۔ (۴۳) ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا مقرر کی۔ (۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ (یہ اولیات طبری' تاریخ الخلفاء اور سیرۃ عمر ابن جوزی میں مذکور ہیں)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۲۴ھ تا ۳۵ھ مطابق ۶۴۵ء تا ۶۵۵ء)

ترجمہ عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی۔ اس لیے آپ ''ذوالنورین'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے۔ پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز اور مقتدر چلا آتا تھا۔ قریش کے خانوادوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مقابل نہ تھا۔ قریش کا مشہور عہدہ عقاب یعنی فوج نشان کی علمداری اسی میں تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبدشمس قریش کے بڑے دبدبہ وشکوہ کے رئیس تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی کے سینتالیس (۴۷) سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور اس میں اپنی دیانت اور راست بازی سے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ قریش کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار تھا۔ اپنی ثروت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کی عمر کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت گہرے تعلقات وروابط تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ نے انہیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان یعنی بنوامیہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت سخت دشمن تھے۔ ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا۔ تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا۔ کچھ دن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حبشہ چلے گئے اور ہجرت اولیٰ میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر مکہ واپس آئے۔ ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے مگر یہ مکہ میں مقیم ہو گئے پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ [2]

---

[1] اصابہ ج۔ ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز واسد الغابہ تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ [2] ابن سعد جلد۔ ۳، ق۔ اول، ص ۳۸۔

بیر رومہ کی خریداری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت دولت مند تھے' ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملک میں تھا۔ اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ❶

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمان تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ بدر میں حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت میں دونوں کا حصہ ملے گا۔ ❷ احد میں بھی شریک تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا ازخود رفتہ کر دیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی انہی میں تھے ان کو اس کا سخت قلق تھا۔ جب وحی الٰہی نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بری قرار دیا اس وقت آپ کو اطمینان ہوا۔ غزوۂ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ ❸ غزوۂ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے' چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد تھی' جس کے حالات عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی' عین ان حالات میں غزوۂ تبوک پیش آیا' تمام صاحب مقدرت صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اخراجات کے لیے روپیہ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے' اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ' ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد کے پیش کیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس خدمت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ❹ غرض عثمان غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لیے وقف تھی۔

خلافت اور فتوحات

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ ان کی خدمات اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنہیں آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا

---

❶ استیعاب ج۔۲' ص ۴۸۸۔ ❷ بخاری مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

❸ ابن سعد جلد۔۱' ق۔۳' ص ۳۹۔ ❹ مستدرک حاکم جلد۔۳' ص۔۱۰۲ و ترمذی مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

تھا ایک نام آپ کا بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کو مسور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے۔ اس تجویز پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا' لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور حضرت زبیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ اس تحریک پر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں' ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ دونوں راضی ہو گئے۔ ان سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے بیعت کرتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی۔ بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ [1] ابتدا میں کچھ دن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فاروقی نظام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور تمام عہدیداران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کیے' جن میں عمال کو رعایا پروری کی ہدایت' جلب زر کی ممانعت' مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت' افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی' تحصیلداروں کو واجبی محاصل سے زیادہ وصول کی ممانعت' امانتداری' یتیموں اور ذمیوں کے مال میں انصاف و دیانت کی تاکید تھی۔ ان ہدایتوں کے علاوہ عوام کے لیے بھی اس فرمان میں مفید ہدایات تھیں۔ [2]

پہلا مقدمہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے قصاص کا پیش ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت

---

[1] ابن سعد جلد ۳' ق۔ اول' ص ۴۳' ۴۴' ۴۲ یہ واقعات طبقات اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ہیں۔

[2] ابن سعد میں یہ پورا فرمان منقول ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ نے آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی لیکن بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شک تھا کہ ابولؤلؤ کے ساتھ دو اور آدمی جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش میں شریک تھے۔ انہوں نے جوش غضب میں ان کو قتل کر دیا۔ بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ قصاص میں قتل کرنا چاہیے' لیکن دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے' اس اختلاف رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی۔ [1]

اسکندریہ کی بغاوت

مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا اس لیے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اسکندریہ میں رومیوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ میں قیصر نے انہیں خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرادی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا مدد کے لیے بھیجا لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوراً پہنچ کر رومیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے۔ انہوں نے اس بغاوت میں حصہ نہ لیا تھا' اس لیے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انہیں خوب لوٹا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس فریاد لے کر گئے۔ جہاں تک مل سکا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا مال واپس کر دیا۔ [2] اس کے بعد آئندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لیے شہر پناہ مسمار کرادی۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات

اسی سنہ میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ انہوں نے فوج کشی کر کے آذربائیجان کو مطیع بنایا اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا۔ ابھی یہ برسرپیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ یہ اطلاع پا کر یہ ادھر بڑھے اور راستے میں کئی قلعے فتح کیے۔ دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے اور کچھ جلاوطن ہو گئے۔ اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۳۱۔

اعظم نے اسی ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجیں۔ حبیب نے انہیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے۔ اور انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نو آبادیاں قائم کر دیں۔ [1] اسی سال میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کیے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے۔ اس کا ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا' شعبہ خراج میں بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے۔ اس دو عملی کی وجہ سے دونوں میں بنتی نہ تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے۔ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو شکایت تھی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خراج کی رقم گھٹا دی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کر دی۔ مصر کے خراج کی کمی کی شکایت کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے چلی آرہی تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اس میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا۔ انہوں نے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

طرابلس کی فتح

عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا' شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب' تونس' مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے اور ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں اور وہ اسی زمانہ میں اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا۔ ۲۷ھ میں اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی' اس کے طرابلس الغرب کی حدود میں داخل ہونے کے بعد یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا۔ دونوں میں عرصہ تک جنگ ہوتی رہی' لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب زیادہ عرصہ لگ گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۔۳۲' ۳۳ و فتوح البلدان بلاذری ص ۔۲۰۵' ۲۰۶۔

زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا۔ ان کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اُسی دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لے کر مقابلہ میں آئے اور دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی دفعۃً پہنچ کر حملہ آور ہوگئی' طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے اس لیے مزید مقابلہ نہ کر سکے اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ [1] طرابلس کی فتح کے بعد تونس' مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگیں ہو گئے۔

اسپین پر حملہ

شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا' لیکن اس وقت مستقل فوج کشی کا خیال نہ تھا اس لیے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آئے۔

قبرص کی فتح

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے صوبہ دمشق کے والی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا۔ انہوں نے طرابلس' شام' عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کیے۔ قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے' فاروقی عہد سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر تھی۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی مانگی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اس لیے اجازت نہ دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی شروع میں احتیاط برتی لیکن جب اس کا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی' مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے' کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے' جنگ و جدال سے گھبراتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کریں گے اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے اہل قبرص مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گزرنے دیں گے اور رومیوں کے حالات کی مسلمانوں کو خبر کرتے رہا کریں گے۔ کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۲ھ میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد دی اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵۔

دوبارہ فوج کشی کر کے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا اور مسلمانوں کی یہاں نو آبادی قائم کر دی۔ [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی

۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خلاف چلی آ رہی تھی' لیکن صولت فاروقی کی وجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کر لی' سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جہاد پر وعظ کیا اور راہ للہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے۔ بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے لیکن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے۔ دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے۔ اگر اس کا قول و فعل مطابق ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیادہ چلیں گے۔ اتفاق سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جس وقت روانہ ہوئے ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا۔ ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی اور کہا قول و فعل میں یہ اختلاف؟ اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا مارا' یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ ان کے مطالبہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا۔ [2]

ایران کی بغاوت اور فارس پر مکمل قبضہ

عہد فاروقی کی فتوحات میں گزر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا۔ اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لے کر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبیداللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا' لیکن وہ ناکام ہو کر مارے گئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ نے اس مہم

---

[1] فتوح البلدان ص۔ ۱۵۹' ۱۶۰ و ابن اثیر ج۔ ۳' ص۔ ۷۴' ۱۰۷۔ [2] ابن اثیر جلد۔ ۳' ص ۳۷۔

کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس پہنچا' اہل فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن ابن عامر نے انہیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی

۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آئندہ کسی موقع پر آئے گی' ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا۔

طبرستان کی فتح

اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کر لی تھی۔ عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انہوں نے بھی صلح توڑ دی تھی۔ اس لیے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ حضرت امام حسن' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر وغیرہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس مہم میں شریک ہوئے تھے۔ سعید بن عامر سیدھے جرجان پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کر لیا۔

خراسان

سعید کے ساتھ ہی عبداللہ بن عامر خراسان روانہ ہوئے تھے۔ راستے سے انہوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو بجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اور خود خراسان پہنچے اور اس کے پورے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ انہوں نے باخرز' جوین' بیہق وغیرہ فتح کیے اور ابن عامر نے خواف' اسفرائن اور ارغیان پر قبضہ کر کے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کر لی۔ نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نساء' سرخس اور ابیورد وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آ گئے۔ یزدگرد اس زمانہ میں یہیں تھا' بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہو کر بھاگا' مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے۔ مہینوں وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

طخارستان کی فتح

خراسان پر تسلط قائم ہو جانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا۔ انہیں

دیکھ کر طالقان، جوز جان اور فاریاب وغیرہ قرب وجوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے، لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی۔ کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوز جان میں اجتماع کیا۔ اس لیے احنف خود طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوز جان بھیجا۔ انہوں نے جوز جان پہنچ کر انہیں شکست دے کر جوز جان پر قبضہ کرلیا۔ اسی دوران میں احنف طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے لیکن جیحون پار نہ کر سکے۔ ماوراء النہر کے بعض امرا نے ان کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کیے۔

کرمان اور سجستان پر قبضہ

اوپر گزر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہمیں علی الترتیب مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے متعلق کی تھیں، چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں کرمان کے شہر سیر جان پر قبضہ کر کے یہاں کی شورش پسند آبادی کو نکال دیا۔ یہاں سے نکل کر یہ لوگ قفص میں جمع ہوئے۔ مجاشع نے قفص جا کر بھی انہیں شکست دی اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہو گیا۔ دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ ربیع نے محاصرہ کرلیا۔ آخر میں یہاں کے مرزبان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کر لی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہاں مقیم رہے پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے۔ اس مرتبہ ابن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھیجا۔ انہوں نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کرلیا۔ مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کر لی۔

کش اور دوار کی فتوحات

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بڑے حوصلہ مند تھے، سجستان کو قابو میں لانے کے بعد کابل کی سمت فوجیں بڑھادیں اور زرنج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کرلیا۔ دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں گھیر لیا، ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے صلح کر لی۔ اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا، اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمٰن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں۔ پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے۔

غزنہ کی فتح

اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا۔ کوہ روز کے بعد عبدالرحمن نے ادھر کا رخ کیا اور غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔ ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہو گئے۔ [1]

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ

اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کر دی تھی، لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا۔ چنانچہ آخری آزمائش کے لیے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے۔

متفرق فتوحات

ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کر لیا۔ ۳۴ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبداللہ نے پوری مستعدی سے فرو کر دی۔ غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے۔

انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

دور عثمانی کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن وسکون سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، محاصل وخراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت اور زراعت وتجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش وتنعم کے سامانوں سے معمور کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم ونتائج بغض وحسد اور شک وروابط کا قدم بھی آیا اور ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایسا انقلاب بپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ اس انقلاب کے

[1] تمام حالات طبری اور ابن اثیر اور فتوح البلدان بلاذری سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

خارجی اسباب حسب ذیل تھے:

① کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جو اسلام کے سچے خدمت گار اور شیدائی تھے' اٹھتے جاتے تھے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی۔ بہت سے بزرگ ضعف پیری کی وجہ سے عملی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے۔ ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی' جن میں ان کے اسلاف کے جیسا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک و حسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے عاقبت اندیش تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں اکابر قریش کو جن کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا' مدینہ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قید اٹھا دی' یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت کے تعلق سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بھی اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

③ اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا' ان میں مخفی مگر نہایت سخت منتقمانہ جذبات موجود تھے۔ انہوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے سازش کا نہایت وسیع جال بچھا دیا۔

④ قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے آپ کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے۔ انہیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں۔ ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومیں جن کی تلواریں ملکوں کے فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں' ناپسند کرتی تھیں۔

⑤ بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ ان میں اور بنی امیہ میں قدیم چشمک تھی جو عہد نبوی میں دب گئی تھی' اس کے بعد پھر ابھر آئی۔

⑥ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے۔ اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا' حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا۔ ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا۔

⑦ اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔ اس لیے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنہیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا برملا نکتہ چینی شروع کر دی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا' جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذہبی وقار کو اسلام نے مٹایا تھا' بدلہ لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں۔

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمن اسلام ایک بظاہر نومسلم لیکن منافق یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا' اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اور عہد نبوی ہی سے اس کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیاں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی۔ اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا۔ یہ بڑا ذہین' طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا' چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا' اس لیے اس نے اسلام کا لباس پہن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آرہی تھی۔ گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا' لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی۔ ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محبّ اہل بیت کے لباس میں ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفائے ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے ان کے اوصاف وسادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذالک من الخرافات. تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے:

① امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

② عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا۔

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنبہ پروری کی داستان مشہور کرنا۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط وکتابت

کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہوگئی۔ [1]

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے' مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی۔ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نشانہ ملامت بنانے کے لیے ایک بہانہ ملنا چاہیے تھا' اس لیے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی۔ یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے۔ جن کی حکومت انہوں نے مٹائی تھی۔ ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی۔ ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا۔ اس لیے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا۔ گو عجمیوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا۔ ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہل بیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لیے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی۔

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آ گئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال میں جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جیسا اخلاص وتدین نہ تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں فاروقی صولت نہ تھی' جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے۔ بلکہ آپ فطرتاً نہایت نرم خو' حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا مادہ زیادہ تھا۔ اس لئے آپ کے عمال سے جو بے عنوانیاں سرزد ہوتی تھیں' گو علم کے بعد آپ ان کا پورا تدارک کرتے تھے' لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کر جاتے تھے۔ دونوں صورتوں میں مخالفین کو بدنام کرنے کا بہرحال موقع مل جاتا تھا۔ اس لیے بعض مخلص اور خیر خواہ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔

ابن سبا نے دعاۃ کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں۔ سب سے اول ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا۔ انہوں نے اس کو اپنے یہاں سے نکالا۔ یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا' کوفہ سے بھی نکالا تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا۔ [2] غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈہ کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔ خصوصاً عراق' جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر وفساد کی فطری صلاحیت تھی'

---

[1] طبری ص ۲۹۴۲۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۵۔

اس فتنہ کا مرکز بن گیا' چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

کوفہ میں مخالفت

کوفہ میں انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی' جندب بن کعب' ابن ذی الحنکہ' صعصہ' ابن الکواء' کمیل اور عمیر بن صابی تھے۔ان کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا۔یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے۔ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے۔آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں۔ان کی اصلاح کی کوشش کرو' اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پہلا عملی اقدام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہوگئی تھی۔لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ چلا لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا۔ گرفتار ہونے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کوفہ کا تبادلہ چاہتا ہوں' اس لیے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا۔اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہوگئی۔اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امن و امان کے خواہاں تھے۔اس لیے سعید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے ہو اس کو مقرر کر دیا۔اللہ کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔ [2]

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۳۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۷۔

عمال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا اور کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا۔ اس لیے کوئی اصلاح کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ جب ہر طرف سے اس قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ' عبداللہ بن سعد' سعید بن العاص' عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں کو جہاد میں لگا دیجیے۔ اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف ہٹ جائے گی۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے۔ اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے' شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں' عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں۔ روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجیے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشا کے خلاف کام کرتے ہیں' عدل وانصاف سے کام لیجیے' یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجیے' ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے' کیجیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے' عمرو خاموش رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو کہا' امیر المؤمنین میں نے جو کچھ کہا تھا' وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے کہ آپ کی ذات اس سے بلند ہے۔ یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے' اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تا کہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر راز دار بنائیں اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے' عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان سے شکایات تھیں لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا' چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اصلاح کے لیے قدم اٹھایا اور حضرت زید بن ثابت انصاری' ابو اسید ساعدی' کعب بن مالک اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم نے

[1] طبری ص ۲۹۳۲-۲۹۳۳و۲۹۳۳۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں' آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں' جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہیں' ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو بھی حاصل نہیں تھا' کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے اس لیے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں۔ اس خوش آئندہ طریقہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خیالات پیش کیے' اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مناسب جواب دیا۔ اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی۔ [1]

تحقیقاتی کمیشن

اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک کمیشن مقرر کیا' کہ وہ ملک کا دورہ اور موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ علی الترتیب کوفہ' بصرہ' مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ' اسامہ بن زید' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوئی۔ ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ **ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم** ''یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کی۔ انہوں نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی''۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سادہ دل بزرگ تھے۔ وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے' **استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبداللہ بن السوداء و خالد بن ملجم وغیرھم** ''یعنی (سبائی) لوگوں نے مصر میں انہیں پھسلا لیا اور عبداللہ ابن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے''۔ [2]

اعلان عام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا' بلکہ تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ ''میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ جب سے خلافت

---

[1] طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے طبری ص ۲۹۳۷' ص ۲۹۳۰۔ [2] طبری اور ابن اثیر ص ۲۹۴۳_۲۹۴۴

کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے' اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے' جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی۔ [1]

عمال کی طلبی

اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا۔ امیر معاویہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ اللہ کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو' ان بزرگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی۔ یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے' اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں' تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے رقبہ حکومت میں سب امن وامان ہے' وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں' ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ کو اختیار کیجئے' سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔ یہ مشورہ سن کر پیکر حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے' اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا' اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ

---

[1] طبری ص ۲۹۴۳' ۲۹۴۴۔

جائے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہوگیا اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے' تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو ان کے حقوق پورے کرو' اللہ کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو۔ [1]

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔

اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے' جن کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت

حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں:

① اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' مثلاً مغیرہ بن شعبہ' ابوموسیٰ اشعری' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

② بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاری' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

③ بیت المال کا روپیہ بے جا طور سے صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں' مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا' عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار دیئے۔

④ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

⑤ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

⑥ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

⑦ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

⑧ بعض نئی بدعتیں جاری کیں۔ مثلاً سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین رضی اللہ عنہما کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

⑨ فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا' حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے۔

---

[1] طبری ص۔ ۲۹۴۶٬۲۹۴۵۔

⑩ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ مدینہ بلا لیا۔

⑪ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں' بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں' ان کی اصل حقیقت یہ ہے:

ا۔ پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں' ایک یہ کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا۔ دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں۔ اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے' خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کر تے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔ [1] ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہو گئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا [2] پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ [3] سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی' جس کو ادا نہ کر سکے' مہتمم بیت المال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی۔ [4] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا' جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی۔ پھر ان کی جگہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کا تقرر کیا۔ [5] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب اوپر گزر چکا ہے' کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی' درآنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی' چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے چند دنوں میں بڑھا کر دونا کر دیا۔ [6] دوسرا الزام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر یہ تھا کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا۔ [7]

---

[1] طبری ص ۲۸۰۲۔ [2] طبری ص ۲۰۲۸۔ [3] طبری ص ۲۹۳۰۔ [4] طبری ص ۲۸۱۱۔
[5] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۲۔ [6] یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔ [7] یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے اپنے نوجوانوں اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا محض ایک بے معنی مغالطہ ہے۔ عمال کے عزل ونصب کا اصل معیار حکومت وجہانبانی کی صلاحیت ہے۔ اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لیے موزوں ترین تھے۔ ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دیئے، جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گزر چکی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطہ نظر سے بھی عمال کے لیے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے، جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے تمام تر نوجوانوں کو مقرر کیا۔ اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس لیے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جگہ نوجوانوں کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا۔

۲۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادتی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا۔

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف تھے ان کے مشرب میں کل کے لیے کچھ اٹھا رکھنا جائز نہ تھا وہ شام میں سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے آپ کی کفالت میں کروں گا۔ لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے۔ جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مدینہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ [1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی، لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی فہمائش ضرور

[1] ابن سعد ج ۴ ق۔ اول، ص ۱۶۷۔

کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر عمال کو علانیہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ ضرور بند کیا' لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لیے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علیحدہ ایک مصحف تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا' لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سختی سے کام لینا پڑا۔ درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف خواہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے طلب کیا تھا اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا۔

۳۔ بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے' جس فیاض غنی نے اسلام کے عہد عسرت میں اس کے مصالح کے لیے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں بھی بڑے صاحب ثروت تھے' انہیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی' بلکہ خلفا میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کے لیے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے صاحب ثروت تھے اور ثروت کے ساتھ اللہ نے فیاض بھی بنایا تھا۔ اس لیے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے۔ اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے' اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا' وہ تقریر یہ ہے:

> ''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا لیتا ہوں' لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں' جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے' مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا' حالانکہ اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں' زندگی ختم ہونے کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں' اللہ کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید

بار نہیں ڈالا ہے' کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے' جو آمدنی ہوئی وہ انہی لوگوں کی ضرورت وفلاح میں صرف ہوئی۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے' اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا' اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں' اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا۔ اللہ کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا' حتیٰ کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں''۔ ❶

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں۔ اصل شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں۔ مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔ ❷

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا' لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا۔ اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جب طرابلس پر فوج کشی کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے وعدہ فرمالیا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا' آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے' ورنہ واپس کر دیا جائے' لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا۔ ❸

عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ ❹

۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشیوں کے لیے مخصوص تھیں' اس کی تصریح خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک بیان میں فرمائی ہے:

''میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص کر دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہیں' حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لیے رکھ چھوڑے ہیں، میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے''۔ ❺

---

❶ طبری ص ۲۹۵۲۔ ❷ ابن خلدون ج ۲' ص ۱۳۹۔ ❸ طبری ص ۲۸۱۵۔
❹ طبری ص ۲۹۴۹۔ ❺ طبری ص ۲۹۵۲۔

۵۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا۔ اس باب میں آپ کے طرز عمل کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے علم میں جو بے عنوانی آتی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے' چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے' میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں۔ میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دی جاتی ہیں' اس خفیہ ضرب دشتم پر مجھ کو افسوس ہے' جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [1]

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انہوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا' چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی کو مقرر کیا۔

۶۔ اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا۔ دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی۔

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اگر آپ عبیداللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ اللہ آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا۔ اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت کے بدلے دیتا ہوں اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ [2]

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا' جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی' اس تاخیر کا

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۔

سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی' شہادت ملنے کے فوراً بعد حد جاری کی گئی۔ [1]

۷۔ ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے' نہایت لغو اور مہمل ہے۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا' ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا۔

۸۔ بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے کہ منیٰ میں خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔ اس کی وجہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمادی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔ [2]

۹۔ نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا۔ آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاہ پر عمل نہیں کیا' ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو اور یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔

۱۰۔ حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی [3] جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا۔

۱۱۔ مصریوں کے ساتھ بدعہدی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں' ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے سے انکار

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کر کے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی' پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علی' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے رائے لی۔ ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ساتھ آئے تھے۔ شام واپس جاتے وقت انہوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیے' وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''خواہ میرا

---

[1] طبری ۲۸۲۹۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۶۲۔ [3] اصابہ تذکرہ حکم بن العاص۔

سرتن سے جدا ہو جائے لیکن میں جوار رسول نہیں چھوڑ سکتا"۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لیے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسائیگان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے۔ فرمایا (حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ) [1] اس جواب کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر تنہا شام واپس ہو گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش

ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصلاح حال کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ دوسری طرف کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغی آپس میں خفیہ خط و کتابت کر کے مدینہ پر یورش طے کر چکے تھے، چنانچہ ۳۴ھ کے آخر میں جب کہ موسم حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہو جاتا تھا، تینوں مقاموں کے باغیوں نے حج کے بہانہ سے مدینہ کا رخ کیا اور قریب پہنچ کر مدینہ سے چند میل باہر ٹھہرے، یہ تینوں مقاموں کے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی پر تو متفق تھے، لیکن ان کے آئندہ جانشین کے بارے میں ان کی آراء مختلف تھیں۔ کوفی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے، بصری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، چنانچہ تینوں نے ان بزرگوں سے مل کو خلافت قبول کرنے کی درخواست کی' لیکن تینوں نے انہیں ڈانٹ کر واپس کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ

اس کے بعد جمعہ کا دن پڑتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حسب معمول نماز کے لیے مسجد تشریف لائے اور نماز کے بعد باغیوں کو فہمائش کی' لیکن اب ان کی سرکشی فہمائش کی حدود سے گزر چکی تھی۔ انہوں نے پتھر مار مار کر نمازیوں کے مسجد سے نکال دیا' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ منبر سے گر کر بیہوش ہو گئے' لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ باغیوں کی یہ جسارت دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص' زید بن ثابت ابو ہریرہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے پہنچے لیکن آپ نے ان سب کو واپس کر دیا۔

مصریوں کی یورش

اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے ہر اصلاحی صورت کو قبول

[1] ابن اثیر ج ۳' ص ۶۰۔

کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے، چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آئندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے۔ [1]

دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ

لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعتہً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا، ہم کو شک ہوا، تلاشی لی، تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ملا، جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ نہ ایسا حکم میں نے لکھا نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم ہے، سب نے اس بیان کی تصدیق کی، باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے، اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو اس کی خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے آپ خلافت سے دست بردار ہو جایئے۔ آپ نے جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا۔ البتہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لیے تیار ہوں''۔ [2] لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ ''اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا مقابلہ بھی کریں گے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں سر دے دوں گا لیکن اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا۔ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا۔ جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا۔ اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا

[1] یہ واقعات طبری ص ۲۹۵۶ تا ۲۹۶۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] طبری ص ۲۹۹۴۔

میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔'' [1]

محاصرہ

اس مرتبہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن اب سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ اس لیے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی۔ اس وقت بھی جان نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی' لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا' چند نوجوان حضرت امام حسین' ابن عباس' محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ واپس نہ گئے۔ آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے' لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ادب و احترام نہ کیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کیے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا' چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ [2]

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی' باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے۔ یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے' لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا۔ آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا' جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ [3]

اتمام حجت کیلئے تقریریں

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے لیے اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے' اس لیے محاصرہ کی حالت میں بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی۔ ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی:

''لوگو! میرے قتل کے کیوں درپے ہو' میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں' اللہ کی قسم

---

[1] طبری ص۔ ۲۹۹۷' وابن اثیر ج۔ ۳' ص ۶۶۔

[2] طبری ص ۳۰۱۰۔ [3] ابن سعد ج ۳' ق۔ اول' ص ۴۷۔

جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی' لیکن بہرحال میں انسان ہوں' اس لیے اصابت رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں۔

یاد رکھو! واللہ! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے''۔ [1]

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وحدت اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زمین کے قطع کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے' اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا' آج تم اس مسجد میں مجھے دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو' میں اللہ کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں' کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے' اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنواں کا پانی پینے سے روکتے ہو' کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے ہی جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا۔'' سب نے کہا ہاں سچ ہے''۔ [2] لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا' اس لیے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی:

''میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' قسم دے کر پوچھتا ہوں' کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ اُحد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا' آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا' اُحد ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی' ایک صدیق اور شہید ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' لوگوں نے اس کی تصدیق کی' پھر آپ نے فرمایا' میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں' جو بیعت رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا تو اپنے دست

---

[1] ابن سعد ج۔۳' ق۔ اول' ص ۴۷۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰' ۷۵' ۷۶۔

مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی تھی؟ سب نے کہا ہاں سچ ہے''۔ ❶

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی:

''اے لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں' اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے' یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اوران تینوں سے میرا دامن پاک ہے۔ اللہ کی قسم جب سے اللہ نے مجھے ہدایت دی میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا۔ نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا' پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو؟ ❷

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام وتفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہان امت نے حاضر ہو کر جان نثاری کی اجازت طلب کی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ ❸

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جان بازی کے جوہر دکھاؤں' فرمایا اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے۔ ❹ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں اور اس حال میں مبتلا ہیں' اس لیے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمایئے۔ آپ کے پاس کافی قوت ہے' ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر' یا پھر صدر دروازہ کو' جس میں باغیوں کا ہجوم ہے' چھوڑ کر ہم آپ کے لیے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں۔ آپ سواری پر بیٹھ

---

❶ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص ۵۹۔ ❷ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص ۶۱۔

❸ ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ص ۴۸۔ ❹ ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ص ۴۹۔

کر مکہ نکل جائیے' وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے' یا پھر شام چلے جائیے' وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا' جس کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو' مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہو گا' شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں موجود ہیں' لیکن دارالہجرۃ اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑوں گا۔ [1] غرض بہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔ [2]

شہادت کی تیاری

جتنا وقت گزرتا جاتا تھا حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی' اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شمع حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے' اس لیے باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی' جمعہ کے دن سے روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا' زیب تن کیا۔ [3] بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسین' عبداللہ بن زبیر' محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے رضی اللہ عنہم باغیوں کو روکے ہوئے تھے' کچھ معمولی سا کشت وخون بھی ہوا' جب انہیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت میں مصروف تھے' لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے' اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے' بڑھ کر ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے! ''اس کو چھوڑ دو' تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے تھے۔ اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا''۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر محجوب ہو کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج۱' ص ۶۷۔ [2] ابن سعد ج۳' ق۱' ص ۴۸۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج۱' ص ۶۷۔

لوٹ گئے۔ ❶

شہادت

ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ ❷ ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹھ ماری کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے نہ دیکھا گیا' وہ بے تابانہ بچانے کے لیے دوڑیں' ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے' ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.﴾ [۲/البقرۃ:۱۳۷] ❸

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی۔ دوسرے دن سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی' شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی' چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا' باختلاف روایت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ یا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔ ❹ شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی۔ مدت خلافت چند دن کم بارہ سال۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر اثر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور مخالفتیں بھی ہوئیں' لیکن اس حادثہ کے پیش آ جانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود' صحابہ رضی اللہ عنہم مضطرب و بے قرار اور مخالفین نادم و پشیمان تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ خبر سنی

---

❶ طبری ص ۳۰۲۱۔ ❷ طبری ص ۳۰۱۸۔ ❸ ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۵۱ و ۵۲۔

❹ ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۵۱۔ ۵۲ و طبری و ابن اثیر وغیرہ۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ ''الٰہی! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے' جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا''۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔ ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا ''آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب بادشاہت کا دور شروع ہو گا''۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار تھیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حادثہ کا ذکر کر کر کے زار و زار روتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک صاف ہو گئے۔'' جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ ''ہم نے ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور ان سے راضی تھے' تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا''۔ ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا' شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہو گا۔ [1]

شہادت کے نتائج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت درحقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا۔ اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی' وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی' مسلمان شیعہ' سنی' خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ازواج واولاد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے

---

[1] یہ تمام اقوال ابن سعد ج۔ ۳ ق۔ ا ص۔ ۵۶ ' ۵۷ سے ماخوذ ہیں۔

آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے۔ آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے۔

عہد عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اگرچہ اطمینان وسکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امت اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بہت سے ممالک زیر نگیں ہوئے۔ نظام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی ترمیم واضافہ کی بہت کم گنجائش تھی۔ تاہم جو گوشے تشنہ تکمیل رہ گئے تھے ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام پائے۔

بغاوتوں کا استیصال

اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔ ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے۔ خراسان' آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا۔ مصر واسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت بپا کر دی۔ قیصر روم اسکندریہ پر چڑھ آیا' غرض ہر طرف خلفشار بپا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کیا۔

فتوحات

بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک' ترکستان' کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا اور اسپین پر حملہ ہوا اور اسلامی حکومت کے حدود سندھ اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے۔

نظام خلافت

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے' نظام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجائش بہت کم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو علیٰ حالہ قائم رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی ان کو ترقی دی۔

مجلس شوریٰ

گو عثمانی دور میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا' لیکن مہمات امور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمال حکومت سے مشورہ فرماتے تھے۔ اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح و فلاح اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمال حکومت سے صلاح و مشورہ کے واقعات گزر چکے ہیں۔

بعض تبدیلیاں

صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی' البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا' ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے۔

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی

عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے' جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک وشبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً نہایت حلیم الطبع' نرم خو اور خطا پوش تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا پہلو غالب تھا۔ اس لیے آپ میں مواخذہ و احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طغرائے امتیاز تھا۔ آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے۔ یہ فرق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نظر انداز کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار کے باوجود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمال کی شان و شوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طرز عمل میں فرق تھا جو ان کی افتاد طبع کا نتیجہ تھا۔ اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا۔ پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے' جس سے اصول اسلام' اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو' جب کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی آپ فوراً معزول کر دیتے تھے' چنانچہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا قرض ادا نہ کرنے کے الزام میں معزول کر دیا' ولید رضی اللہ عنہ کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی' سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رعایا کی شکایت پر علیحدہ کیا' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ حج کے موقع پر تمام عمال طلب کیے جاتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے' چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔ [1]

بیت المال کے محاصل و مصارف

عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا' چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار دونی ہوگئی۔ [2]

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا' جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لیے نقد ملتا تھا ان کا کھانا بھی مقرر کیا۔ [3] ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

صیغۂ فوج

صیغۂ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں۔ بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جو اب تک ایک چلے آتے تھے الگ کر دیئے۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپے کا اضافہ ہوا۔ [4] نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں بسا دیں [5] فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کے لیے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان میں اور اضافہ کیا اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے' یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ [6]

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے۔ عہد فاروقی میں فارس کی

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴۔ [2] یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔ [3] طبری ص ۲۸۰۴۔

[4] طبری ص ۲۸۰۴۔ [5] ابن اثیر ج ۳' ص ۳۳ [6] وفاء الوفاء میں چراگاہوں کی تفصیل ہے۔

بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بار ہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی۔ آپ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی' آپ نے بھی پہلے انکار کیا' لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے' جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ [1] چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا' جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ قبرص کی فتح سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ والی افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا' چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی۔ [2] بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا۔ بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور اولوالعزم تھے' اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی' جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں۔ اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔

رفاہ عام کے کام

عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا' دفاتر کے لیے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں' رعایا کی آسائش کے لیے سڑک' پل اور مسافر خانے بنوائے' کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا۔ [3] مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے علاوہ بیئر سائب' بیئر عامر اور بیئر عریس کئی کنویں کھدوائے۔ [4]

بند مہروز

مدینہ' خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے اس لیے کبھی کبھی یہاں سیلاب آ جاتا تھا' جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب بند بندھوایا

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۶۳ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرص۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص۴۵۔

[3] طبری ص۲۸۴۲۔ [4] وفاء الوفاء ج۔۲' ص۲۵۴۔

اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہو گئی۔ [1]

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی۔ عمارت کے لیے چونا اور پتھر بطن نخلہ سے منگایا۔ ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کیے' ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے طول میں ۲۰ گز کا اور عرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا۔ [2]

مصحف صدیقی کی اشاعت

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی۔ کلام اللہ کے بعض الفاظ کی املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے' چنانچہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم املاء اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ [3] اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس خفیف فرق کی کوئی اہمیت نہ تھی' لیکن نو مسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' اس کی بڑی اہمیت ہو گئی۔ ہر مقام کے لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے' چنانچہ انہوں نے واپس آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المؤمنین! اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی اللہ کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں گے۔ ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲' ص ۲۱۷۔ [2] ابن اثیر ج ۳' ص ۳۹ و یعقوبی ج ۲' ص ۱۹۱' وفاء الوفاء میں اس تعمیر کی پوری تفصیل ہے۔ [3] یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے ان کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ .

اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انہیں تلف کرا دیا۔ ❶ اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا۔

مؤذنوں کی تنخواہ

مساجد کے لیے تنخواہ دار مؤذن مقرر کیے۔ ❷

متفرق واقعات

خلیفہ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی اصلاح و تربیت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے۔ مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے تھے۔ انہیں اس کی عملی تعلیم دیتے تھے' جس کے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے' چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوشحال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا۔ ❸

فضل وکمال

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاص حاشیہ نشینان بساط نبوت میں تھے۔ اس لیے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم وعمل کا نمونہ تھی۔ کان ممن جمع بین العلم والعمل ❹ آپ کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا' چنانچہ زمانہ جاہلیت سے آپ نوشت وخواند سے واقف تھے۔ ❺ تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابت وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی۔ ❻ تقریر وخطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا' لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی' آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں۔ مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اس کی تعلیم انہوں نے خاص زبان نبوت سے حاصل کی تھی۔ ❼ ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ ❽ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

❶ بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ ❷ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴۔
❸ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵۔ ❹ تذکرۃ الحفاظ ج ۱' ص ۸۔
❺ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷۔ ❻ روضۃ النظرۃ تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔
❼ تذکرۃ الحفاظ ج ۱' ص ۸۔ ❽ ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۵۳۔

آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ ❶ اس شوق و ذوق کی وجہ سے کلام اللہ پر آپ کی نظر بہت وسیع ہوگئی تھی۔

احادیث نبوی ﷺ کے بھی ممتاز حافظ وروی جملة كثيرة من العلم ❷ لیکن کلام رسول میں تغیر وتبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے' چنانچہ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ صحیح محفوظ نہ رکھتا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانے کے لیے تیار رہے۔ ❸ اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے۔

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے برابر نہ تھا' لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے۔ ❹ آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل یہی دونوں حضرات کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ❺

اخلاق وسیرت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت سے صاحب ثروت تھے۔ لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا' لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج سے آلودہ نہ ہوا۔

خشیت الٰہی اور رقت قلب

آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا' جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ❻

---

❶ تاریخ الخلفاء ص ۱۴۸۔ ❷ تذکرۃ الحفاظ ج۔۱' ص ۱۸۔
❸ مسند احمد ج۔۱' ص ۶۵۔ ❹ بخاری کتاب الغسل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔
❺ کنز العمال ج۔۶' ص ۲۷۔ ❻ کنز العمال ج۔۶' ص ۳۷۲۔

مواخذہ قیامت کا خوف

آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔ [1] اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گوناگوں تعلقات اور آپ کی خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اس تعلق کی بنا پر آپ نے دو مرتبہ ان کو شرف مصاہرت سے سرفراز فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا' لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا اقلق ہوا۔ ان کی پریشانی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا' عثمان کیا حالت ہے؟ عرض کی بِاَبِی اَنْتَ وَاُمِّی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسکین خاطر کے لیے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا۔ [2]

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی کے لیے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن فقر و فاقہ سے گزر گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے گیہوں' آٹا' کھجور' بکری کا گوشت اور تین سو درہم نقد لے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمان کو یاد فرمایا جائے۔ [3]

---

[1] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۷۲۔ [2] کنز العمال ج۔۶' ص۔ ۳۷۵ اس میں دو روایتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

[3] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۷۶۔

احترام رسول ﷺ

ذات نبوی کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی' اسے تاعمر محل نجاست سے مس نہیں کیا۔ ❶

اتباع سنت و پاس فرمان رسول ﷺ

اس محبت و احترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ کا فرمان ہردم ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا۔ آپ کے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے فرمان کا اتنا لحاظ رکھا کہ جان دے دی لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ

آپ کا طغرائے امتیاز راہ للہ میں فیاضی ہے۔ جیسا اللہ نے آپ کو غنی بنایا تھا ویسے ہی آپ نے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی۔ اس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائیداد راہ للہ میں وقف کی تھی۔ ❷

فیاضی

آپ طبعاً فیاض و سیر چشم تھے' سینکڑوں بیواؤں' یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ ❸ آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔

حیا

آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے۔ آپ طبعاً اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی حیا کا لحاظ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے اور زانو مبارک سے کپڑا اٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے بند نہ کیا' تھوڑی دیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے کپڑا برابر کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا سبب پوچھا' فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ ❹

---

❶ ابن سعد ج۔۳' ق۔ا تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ ❷ ابن سعد ج۔۳' ق۔ا' تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ ص ۵۳۔
❸ نزہتہ الابرار قلمی۔ ❹ بخاری مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

صبر و تحمل

تیسرا وصف صبر و تحمل اور عفو و درگزر ہے۔ آپ حلم و عفو کا پیکر تھے۔ آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں۔ کسی حالت میں حلم و صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا' مخالفین نے رو در رو گستاخیاں کیں' لیکن اس پیکر حلم نے سوائے صبر و تحمل کے کوئی جواب نہ دیا۔ اگر آپ چاہتے تو باغیوں کے خون کی ندیاں بہہ جاتیں' لیکن آپ نے جان دے دی' مگر صبر و حلم کے جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے۔

تواضع

آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لیے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے۔ شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے' خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے عرض کیا گیا' آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں' کسی غلام کو جگا لیا کیجئے' فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لیے ہے۔ [1]

ذریعہ معاش

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش مکہ بلکہ عرب کے دولت مند ترین لوگوں میں تھے۔ لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا۔ اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے۔ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں۔ آپ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی میں لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائیداد کے پینتیس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ [2]

غذا اور لباس

آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت و ثروت کے گہوارہ میں رہے۔ زندگی کے کسی دور میں عسرت و تنگ دستی سے سابقہ نہ پڑا۔ اس لیے سخت اور پر محن زندگی کے عادی نہ تھے۔ آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ خوش خوراک و خوش لباس تھے۔ دستر خوان وسیع تھا' لیکن اس میں

---

[1] ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۴۱۔ [2] ابن سعد ج ۳' ق ۱' ص ۵۳۔

زیادہ اہتمام نہ تھا۔ اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کل چار پانچ درہم کی تہبند میں مسجد آتے تھے۔ [1]

[1] مستدرک حاکم ج ۳، ص ۹۶۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۳۵ھ تا ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء)

ترجمہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا۔ ابوطالب اس زمانہ میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے' آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے۔ ان کی بیوی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ اس لیے آپ کو ابوطالب اوران کی اولاد کے ساتھ خاص انس ومحبت تھی۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی نوعمر لڑکے نے لبیک کہا' چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی اس لیے زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کا دامن محفوظ رہا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وعظ و پند کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہروقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل کے لیے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اوران سے فرمایا کہ ''اے بنی مطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے''۔ تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ ''گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا''۔ یہ آواز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا' اس کے جواب میں ہر مرتبہ علی رضی اللہ عنہ ہی کی آواز آئی' اس صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ ''تم میرے وارث اور بھائی ہو''۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا' عمل کچھ اس سے بڑھ کر ہی تھا۔ ہجرت کے واقعات میں تم اس کی تفصیل پڑھ چکے ہو۔

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ اس وقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستقل زندگی شروع ہوئی۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان تمام غزوات بدر' احد' خندق' بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں دکھائے' جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں' اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے' جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام پہنچایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خدمت یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی' غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ گوناگوں تعلقات و خصوصیات کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ قدرۃً خلافت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متوقع تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی۔ لیکن پھر بہت جلد دور ہوگئی اور آپ تینوں خلفا کے دور میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے مشوروں سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جب تک بس چلا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے رہے۔ ان سب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

خلافت

بیعت خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی' مدینہ میں شور قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے' لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہوسکتا تھا' چنانچہ مہاجرین و انصار نے جن میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے' جسے تم منتخب کرو گے' میں بھی اسے قبول کرلوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کرسکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے

اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [1] اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ [2] بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا۔ لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس میں ناکامی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا تھیں، وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ گھر میں گھسنے والوں میں وہ صرف محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانتی تھیں، لیکن وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے تھے اور قتل میں شریک نہ تھے۔ ان کے علاوہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں۔ پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تک صرف قصاص چاہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہ، زبیر اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے۔ [3] بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اس لیے آگے چل کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور ان کی بغاوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہو گئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عثمانی عہد کے اکثر عمال

---

[1] طبری ص ۳۰۶۶، ابن اثیر ج ۳، ص ۸۷۔ [2] ابن سعد ج ۳، ق ۱، ص ۲۰۔ [3] طبری ص ۳۔

خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کے سخت خلاف تھے۔ اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم پایہ تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ابھی آپ معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹائیے' جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں' اس وقت جو دل میں آئے کیجیے گا' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجیے' اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انہیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے' لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا [1] اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے۔ اسی سلسلہ میں شام پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود بڑے مدبر تھے۔ پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آ رہے تھے۔ یہاں ان کا بڑا اثر تھا۔ انہیں معزول کرنا آسان نہ تھا' چنانچہ انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو شام کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا۔ [2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو روک لیا تھا۔ یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا۔ آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں' اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی' آپ نے فرمایا الٰہی! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۷۷ و اخبار الطوال ص ۱۵۱۔ [2] طبری ص۔۳۰۸۳ و ۳۰۸۴۔ [3] طبری ص ۳۰۹۱۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا اور آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں۔ اس لیے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے۔ بہتوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے' چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں۔ کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجیے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لیے مجھ کو مجبور نہ کیجیے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں جانتا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں' چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے' میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۔ [1] حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے' غرض بہت سے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں شرکت سے احتراز کیا' تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

اصلاح وقصاص کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی

ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ میں ہی تھیں۔ یہیں آپ کو واقعہ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں' مکہ سے واپسی میں راستہ میں آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے اور مدینہ میں بدامنی بپا ہے۔ [2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۲۔ [2] طبری ص ۳۰۹۸۔

یہ اطلاع پا کر آپ مکہ لوٹ گئیں۔ اس کے بعد ہی حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما پہنچ گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگ چلے آرہے ہیں' مدینہ میں لوگ حیران وسرگرداں ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ [1] یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی کے قصاص اور فتنہ وفساد کی اصلاح کی دعوت دی۔ آپ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی:

"لوگو! مختلف ملکوں کے عوام' اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو مظلوم شہید کر دیا' ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی۔ انہوں نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا' بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا' ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔

میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کر دیئے گئے اس شوروغوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو"۔ [2]

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی زبان سے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمی رضی اللہ عنہ والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا۔ اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے' ساتھ ہو گئے۔ ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادراہ کا سامان نہ ہو' اس کو پورا سامان دیا جائے گا۔ چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا۔ حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا اور شرفا کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ ان کے علاوہ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔ [3]

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی وہیں ہے۔ اس لیے سیدھے مدینہ

---

[1] طبری ص ۳۰۹۹۔ [2] طبری ص ۳۰۹۷، ۳۰۹۸ ملخصاً۔ [3] ابن اثیر ج ۳، ص ۹۰۔

چلنا چاہیے' کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا' لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی' مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھیں' لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا' لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ درحقیقت مسلمانوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بے نیام ہونے والی تھیں اس لیے محتاط بزرگ اس میں شرکت پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شرکت کی جب دعوت دی گئی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے ان کی تقلید کروں گا۔ یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف ام المومنین تھیں' مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بے گناہی کی دعوت تھی' دوسری طرف خلیفہ وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

بصرہ کی روانگی

غرض صفر ۳۵ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے روانہ ہوگئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان اس نازک گھڑی پر زارزار روتے تھے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے"۔ اور اس دن کا نام ہی "یوم النحیب" یعنی یوم گریہ پڑ گیا۔ [1] جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے نکلی ہیں' چپ وراست مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ [2] جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے' اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ بہت سے مفسد بھی شامل ہو گئے تھے' جن کا کام جنگ کی آگ کو بھڑکانا تھا۔

راستہ میں حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پوچھا یہ کون سا چشمہ ہے؟ معلوم ہوا حواب' یہ سن کر فرمایا مجھے یہیں سے واپس کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں گے" لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حواب کا چشمہ نہیں ہے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے بڑھیں۔ [3] بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا' عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حاضر ہو کر والی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ ان کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ

[1] طبری ص ۳۱۱۴۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۳۔ [3] یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۰۔

تقریر فرمائی:

''اللہ کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے' واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ وفساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو اللہ اور رسول کی لعنت کا مستحق بنا لیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا' معصوم خون بہایا' اس مال کو لوٹا جو ان کے لیے حرام تھا۔ مقدس شہر اور مقدم مہینہ کی بے حرمتی کی' لوگوں کی آبروریزی کی' مسلمانوں کو مارا' ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے' جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے' انہوں نے نقصان پہنچایا' مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں' میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے' اللہ فرماتا ہے ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ [۴/النسآء:۱۱۴] ''لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں'' ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں' جس کا اللہ اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن ومرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں''۔ [1]

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے ایک قاصد عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بزور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ جب تک علی رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں اس وقت تک نرمی اور صلح وآشتی سے کام لینا چاہیے' لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی مقابلہ کے لیے بڑھے۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر ایک تقریر کی:

''لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آ کر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان

[1] طبری ص ۳۱۱۶۔

شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو نیکوکار' پرہیز گار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار' غدار اور جھوٹا پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ' جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا اور قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا ناسزا ہے' وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ﴾ [۳/آل عمران:۲۳] ''یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے''۔ [1]

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر کہ ام المؤمنین سچ فرماتی ہیں' ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ [2] لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ہی جنگ ہو گئی۔ عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ عثمان کے شکست کھانے کے بعد ان کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ اس سے بصرہ میں ایک جماعت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہو گئی۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی' یہ اطلاع پا کر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا' اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا مقابلہ تھا۔ لیکن قیام نظم کے لیے نکلنا ناگزیر تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کے شر کو دبانے کے لیے آپ کو چاروناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا' لیکن جیسا کہ آئندہ

[1] طبری ص ۳۱۱۹۔ ابن اثیر ج ۳' ص ۸۳۔ [2] ابن اثیر ص ۳۱۲۔

[3] اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے۔

واقعات سے معلوم ہوگا آخر تک آپ صلح و آشتی کے خواہاں رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم کی روش

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس خانہ جنگی کے خلاف تھے اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ فاشتد الامر علیٰ اهل المدينة فتثاقلوا [1] یعنی اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے پہلو بچایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو' انہوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں' جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا۔ اہل مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے' ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا' جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ [2]

مدینہ سے روانگی

تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے ساتھ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا ''امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے نہ نکلیے' اگر اس وقت نکلے تو اللہ کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا'' [3] لیکن اب صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات سو آدمی تھے' جن میں زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی' لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی مدد

ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لیے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے' ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے۔ [4] حضرت امام حسن' عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ

---

[1] طبری ص ۳۰۹۳۔ [2] طبری ص ۳۰۹۳۔ [3] طبری ص ۳۱۰۶۔ [4] طبری ص ۳۱۴۰۔

اشعری رضی اللہ عنہ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں' کہ لوگو! میرا کہنا مانو' تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں' لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا' جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے' معلوم نہیں کہ اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے' اپنی تلواروں کو نیام میں کر لو' نیزوں کے پھل اتار ڈالو' کمانوں کی تانت کاٹ دو' لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے۔ ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا' اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا اور خود لوگوں کو تقریر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد پر آمادہ کیا' آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مصالحت

کوفہ کے رؤسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی اور خیر خواہ امت تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بصرہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا۔ اماں جان! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لیے۔ قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں۔ یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے' قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المؤمنین سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں؟ انہوں نے فرمایا اصلاح کے لیے' اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں' ام المؤمنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟ انہوں نے کہا تعمیل' قعقاع نے کہا تو پھر بتایئے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص' اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا' اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔ اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زہیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے' اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑیں گے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۴۵۔

غرض قعقاع نے حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ ان کی باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر تمہاری کیا رائے ہے‘ انہوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن وسکون ہے‘ جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی پریشانی ہوگی اور ان سے قصاص بھی لیا جائے گا‘ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لیے فال نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ تو امن وامان قائم ہوگا اور نہ قصاص لیا جائے گا‘ جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لیے امن وعافیت کی کنجی تھے‘ ویسے ہی اب بھی بنئے‘ ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے کہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمی یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں‘ بلکہ ساری امت کا سوال ہے۔

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہ‘ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو‘ علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو‘ اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے واپس ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مژدہ سنایا۔ آپ سن کر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لیے تیار ہوگئی اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا اب معاملات روبہ اصلاح ہو گئے ہیں اس لیے میں کل لوٹ جاؤں گا‘ تم لوگ بھی واپس جاؤ‘ لیکن جن لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔ [1]

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا اور دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے‘ سخت مضطرب ہوئے۔ چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی‘ ابن السوداء‘ خالد بن ملجم‘ علباء بن ہیثم‘ شریح بن ابی اوفی وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا۔ اشتر نخعی نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں‘ یعنی وہ یقیناً خون عثمان کا قصاص لیں گے‘ طلحہ وزبیر کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے‘ لیکن علی کی رائے اب تک نہیں معلوم۔ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں۔ ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علی کو بھی عثمان کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے‘ طبری کے یہ

---

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں۔ ہم نے صرف ضروری حصے نقل کیے ہیں۔

الفاظ ہیں:

وان یصلحوا مع علی فعلی ومائنا فھلمو نتثارب علیٰ علی فنلحقه بعثمان. ❶

لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں' کسی پر اتفاق نہ ہوا' آخر میں ابن السودا نے کہا کہ علی' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو مزید غور وفکر کا موقع ہی نہ دو اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو۔ جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علی رضی اللہ عنہ اپنے بچاؤ کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ ❷

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی مصالحانہ روش

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے۔ ان کی کوششیں الگ جاری تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ایک شخص ابوالجرباء نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے ملیں ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لیے بھیج دینے چاہئیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں' لیکن انہوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے' پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے' اس لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا' قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئند وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے شخص صبرہ ابن یشمان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا شرانگیز مشورہ دیا' اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ ❸

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے جنگجو بھی پیش دستی کے لیے بے چین تھے' چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی' آپ نے فرمایا کہ ''ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیے' وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں' ممکن ہے اللہ ہمارے ہی ذریعہ سے جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے''۔ اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا ''اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں تو'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے

❶ طبری ص ۳۱۶۴۔ ❷ طبری ص ۳۱۶۵۔ ❸ طبری ص ۳۱۶۶۔

ساتھ کریں گے۔ اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابوسلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوی قصاص میں اخلاص اور حسن نیت ہوتو کیا وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول ہوگا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ ابوسلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر میں آپ کے لیے کیا حجت ہے؟ فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو۔ ابوسلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصتاً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا' وہ جنت میں جائے گا۔ [1] اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کے لیے ایک دن آپ نے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو' اور پیش دستی سے بچو۔ آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا کل اللہ کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ [2] غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔

صلح کا انعقاد

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ [3]

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گزر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔ دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے' چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ [4] اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اس غیر متوقع

---

[1] طبری ص ۳۱۶۷۔ [2] طبری ص ۳۱۶۸۔ [3] طبری ص ۳۱۸۰۔ [4] طبری ص ۳۱۸۲۔

حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا واقعہ ہے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو! رک جاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں' لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔ غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا اور امن وصلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے۔ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آراء ہو گئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ انہوں نے ان سے کہا' ابوعبداللہ تم کو یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علی (رضی اللہ عنہ) کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا' ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آ گیا۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے' فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا اور علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس لیے اب میں واپس جاتا ہوں' تم بھی لوٹ چلو' لیکن انہوں نے انکار کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تنہا لوٹ گئے۔ [2] واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہو گیا۔ وادی سباع میں نماز کا وقت آ گیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے بھی اقتدا کی' جیسے ہی آپ سجدہ میں گئے' ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے آپ کا سر' گھوڑا اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو' اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کیے۔ یہ سن کر ابن جرموز بولا کیا میری جانثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں۔ [3]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳' فضائل زبیر رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۷۔ [3] اخبار الطوال ص ۱۵۸ و طبری۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا۔ مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔ ❶

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی

لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا' فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں۔ ❷ اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جان نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا' فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ ❸

جنگ کا خاتمہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے۔ وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ ❹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے' نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے' نہ کسی کا مال لوٹا جائے' جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کرے وہ مامون ہے۔ ❺ یہ اعلان ہوتے ہیں آپ کی فوج نے ہاتھ روک لیے' بعض آدمیوں نے حضرت

---

❶ اخبار الطوال ص ۱۵۷۔ ❷ یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۲۔

❸ طبری میں جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ انہیں غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے۔

❹ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۳۔ ❺ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳۔

علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لیے جائز نہیں تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی؟ فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت' ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو۔ تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری

اختتام جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو زخم چشم تو نہیں پہنچا اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ [2] اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ ہم دونوں کو معاف فرمائے' اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ [3] چند دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں اور سواری' زاد راہ' نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا' میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی' اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیے' میرے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی' وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔ ام المومنین کے اس ارشاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ام المومنین رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں' اللہ کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی' وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم ہیں۔ اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ [4] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۱۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۱۔

[3] طبری ص ۳۲۳۰۔ [4] طبری ص ۔۳۲۳۱ و ابن اثیر ج ۳۔

ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی۔ آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر۔ دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تاعمر اس کی ندامت رہی۔ جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار و زار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے دنیا ہی سے اٹھ گئی ہوتی۔ [1]

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے نقل کیے ہیں۔ [2]

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا

جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حرم نبوی ﷺ کی بڑی توہین ہوئی۔ اس لیے آئندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لیے آپ نے سیاسی مرکز یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی۔ اس لیے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لیے زیادہ اہم تھا۔ اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے' ان کا مرکز عراق رہا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے' جس کے نتائج ان کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔

عمال کا تقرر

کوفہ آنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم کیا۔ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنایا' قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کی ولایت پر مامور کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ پر مقرر کیا۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کی ولایت پر برقرار رکھا' یزید ابن قیس ارحبی کو مدائن پر' عمرو بن ابی سلمہ کو بحرین پر' مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر' منذر بن جارود کو اصطخر پر' زیاد بن ابیہ کو فارس پر' قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر' عدی بن حاتم کو بہرہ سرسیر پر' ربعی بن کاس کو سیستان کے علاقہ پر' خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر' اشتر نخعی کو موصل' نصیبین' دارا' بجر' سنجار' آمد' میافارقین' ہیت' عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل ضحاک بن قیس

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۸۳۔

نے انہیں روکا' انہوں نے مقابلہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے بھیجا۔ اشتر موصل لوٹ آئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ درمیان میں جنگ جمل پیش آ جانے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے' اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' انہوں نے میری بیعت کر لی ہے' اس کے بعد کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین وانصار کو ہے۔ ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا اس سے بزور لی جائے گی۔ مہاجرین وانصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت آڑ بنا چکے۔ بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو' میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ [2] اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چند در چند مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں تھے' قید خانہ سے نکل بھاگے تھے۔ رومی علیحدہ سواحل شام پر حملہ کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے۔ اسی درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ تہدیدی خط پہنچا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا محمد بن ابی حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ انہیں تلاش کراؤ' اگر مل جائیں تو فبہا' ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو اس شرط پر وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ البتہ اہم ہے' مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا' انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے' مصر کی حکومت۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں

---

[1] عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۷۔

ہوگی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ [1]

شام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے علی رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں۔ اس لیے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں علی رضی اللہ عنہ کی شرکت تھی۔ شام کے سب سے با اثر آدمی شرحبیل بن سمط کندی ہیں۔ پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ' پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرحبیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ بھی شامل تھا۔ شرحبیل کو اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم نے علی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دیں گے۔ امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں۔ آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا۔ شرحبیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کیے ہوئے حل نہیں ہوسکتا۔ آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے' چنانچہ شرحبیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے۔ وہ شمشیر بکف یہاں بھی آئیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ اس لیے خلیفہ مظلوم کے قصاص میں ان کا ساتھ دو۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ [2]

دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیوں کی' جن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا' نمائش برابر جاری رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے انہیں دمشق طلب کیا گیا۔ یہ منظر ایسا درد انگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے' چنانچہ فوج سے لے کر امراء و عوام تک سب کے

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۷۰۔

جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حالات کی اطلاع

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک روکے رکھا تھا' یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انہیں واپس کیا۔ انہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے لیے آمادہ تھے' صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد آپ کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا' چنانچہ اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں' بعض مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابومسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے' پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے۔ ابومسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو' میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر جاؤں گا' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط لکھا:

''امابعد! خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے' تم ان کے گھر کا شور وغل سنتے رہے اور اپنے قول وعمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا

---

[1] طبری ص ۳۲۵۵۔ [2] طبری ص ۳۲۵۵۔

ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو' تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے برأت کرتے ہو۔ اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ اللہ احد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے"۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں' اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں گے اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔ یہ مطالبہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے۔ یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہم سب عثمان کے قاتل ہیں"۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ:

"عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں' میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا' مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا"۔

اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ' معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلط روی میں ان کا

ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو۔" [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی

لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ضد پر اڑے رہے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چار و ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا اور آپ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے' اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ' سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابی تھے۔ [2] فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح ابن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔

عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے۔ ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابو الاعور اسلمی کی قیادت میں آگے آگے تھا۔ دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے' سور روم میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی مدد کے لیے بھیجا' ابو الاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی۔

صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی

یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں اور تمام مناسب اور اہم جگہوں پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا اور ابو الاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا کہ عراقی فوجیں پانی تک نہ پہنچنے پائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ورود اور پانی کیلئے کشمکش

اس دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتار دیں۔ شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کر کے پانی پر پہرہ لگا دیا تھا۔ اس لیے حضرت

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۷ ۱۷۷ میں یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں ہم نے خلاصہ لکھا ہے۔

[2] یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۸۔

علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو پانی کے لیے بڑی دشواری پیش آئی۔ آپ نے پہلے زبانی پیام بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے' لیکن شامی پانی دینے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں مجبور ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا۔ چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا۔ ابوالاعور نے روکنا چاہا' دونوں میں مقابلہ ہوا' عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شامیوں کا پانی بند نہیں کیا' بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پانی لے کر لوٹ آئیں۔ [1]
اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف و خطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکر گاہ میں آنے جانے لگے اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص' خیر خواہ امت علما' صلحا اور حفاظ قرآن بھی تھے۔ ان کی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی۔ اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا' لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑ کر روک دیتے تھے۔ التوائے جنگ کے ساتھ ساتھ صلح کے لیے خط و کتابت بھی ہو رہی تھی' لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ [2]

جنگ کا آغاز

جمادی الاول ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ آخر جمادی الثانی تک قائم رہا' لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح و شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی شہر حرم کی حرمت میں جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی

التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو' چنانچہ ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں' پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے لیے' ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے' اگر وہ انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تو میں سب سے

---

[1] طبری ص ۳۲۶۹۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۸۰'۱۸۱ میں اس کی تفصیلات ہیں۔

پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کروں گا‘‘۔ ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قاتل ہیں' یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ [1]

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور خونریز جنگ شروع ہوگئی' جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور انہیں لکھنا بیکار ہے۔ مختصر یہ کہ فریقین کے درمیان کم وبیش نوے معرکے ہوئے۔ ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے۔ [2] ہزاروں عورتیں بیوہ، لاکھوں بچے یتیم ہوگئے' درمیان میں مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے ایک ایک دو دو دن جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی۔

لیلۃ الحریر کی فیصلہ کن جنگ

ان تمام لڑائیوں میں فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا' دونوں کا پلہ قریب قریب برابر تھا۔ لیلۃ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا۔ اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ میدان جنگ میں کشتوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ دوسرے دن صبح کو مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے جنگ ملتوی ہوگئی۔ اس سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس معرکہ سے پہلے کی لڑائیوں میں فریقین کا پلہ برابر رہا تھا' لیکن لیلۃ الحریر کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور پڑ گئے تھے اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے اور دونوں فریق کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل وعیال کو قید کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے۔ [3] علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ

[1] اخبار الطوال ص ۔۱۸۰' ۱۸۲۔ [2] ابوالفداء جلد اول ص ۱۷۵۔ [3] اخبار الطوال ص ۲۰۱۔

پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی۔ 1 لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ اب شامی کوئی دم میں میدان چھوڑنا چاہتے ہیں' اس لیے لیلۃ الحریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی اور کہا کہ لوگو! اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے' تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے' فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک تدبیر اور علوی فوج میں اختلاف

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی فوجی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا' انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا ایسے وقت کے لیے میں نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں' اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ 2 چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے' اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے' فضل بن ادہم شریح جذامی اور وقاء بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا یا معشر عرب! اللہ کے لیے اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ۔ 3 اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ 4 آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں' اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لیے واجب التسلیم ہو۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''یہ محض فریب ہے''۔ لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا' اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لیے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے۔ اب جبکہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے' بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچا دیں گے۔ 5 دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے۔ ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے اس جھگڑے کو چکانے کے لیے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے۔ اگر اسے وہ لوگ قبول کریں گے تو فبہا' ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی۔ اس اعلان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا کہ ''اس خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے اب میں تم کو اس کے بند کرنے' الفت و محبت قائم

1 اخبار الطوال ص ۲۰۱۔ 2 طبری ص۔ ۳۳۲۹ و اخبار الطوال ص ۲۲۱۔
3 اخبار الطوال ص ۲۰۲۔ 4 طبری ص ۳۳۲۹۔ 5 طبری ص ۳۳۳۰۔

کرنے اور بغض وعناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں"۔ ❶

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت میں خود ان کی فوج میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو چارو ناچار تحکیم کے لیے آمادہ ہو گئے اور جنگ روک دی۔ آپ کے بعض ہوا خواہوں پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا۔ ان میں اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والوں میں سخت گفتگو ہو گئی اور قریب تھا کہ عراقی فوج میں آپس ہی میں تلواریں نکل آئیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ ❷ التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک حکم مقرر کیا جائے' یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے' حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں۔ اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے۔ اپنی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں۔ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے' ان کے فہم و تدبر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کے بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا جائے' لیکن جب لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تھا تو اس تجویز پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں' حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے۔ اشعث بن قیس نے کہا کہ انہی نے یہ آگ بھڑکائی ہے' اس لیے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چارو ناچار ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئے۔ ❸ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خانہ جنگی سے بچنے کے لیے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہاں سے بلا کر لائے گئے' وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے' اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض مشیروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کام کے نہیں ہیں۔ اس لیے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے۔ آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے۔

تحکیم کا عہد نامہ

❶ اخبار الطوال ص ۲۰۴۔ ❷ طبری ص ۳۳۳۲۔ ❸ طبری ص ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۵ ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا۔ کتابت شروع ہوئی ہی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امیر المؤمنین لکھنے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انہیں امیر المؤمنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا' آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے' حدیبیہ کے معاہدہ میں "رسول اللہ" کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیا تھا' اس لیے امیر المؤمنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے' چنانچہ امیر المؤمنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہدنامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے:

> "علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے' لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوگا۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی اور کامل امن و امان قائم رکھا جائے گا' اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔ دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہونا چاہیے' لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں' اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔" [1]

اس عہدنامہ پر فریقین کے تمام لوگوں کے دستخط ہو گئے اور عراق کی سرحد پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لیے مقرر ہوا' تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا' جس نے بعد میں خارجی

---

[1] یہ عہدنامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

حکمین کی گفتگو

معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے مدبر اور دانشمند تھے۔ انہوں نے پہلے ہی سے تعظیم وتکریم کے ذریعہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ خود خاموش رہتے' ہر معاملہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی ہیں' پہلے آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے' بہر حال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابوموسیٰ اشعری: ابن العاص! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں۔

عمرو بن العاص: کس کو؟

ابوموسیٰ اشعری: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے۔

عمرو بن العاص: امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

ابوموسیٰ اشعری: معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا کیا رتبہ ہے' وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عمرو بن العاص: یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے بعد معاویہ (رضی اللہ عنہ) ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: ہاں یہ صحیح ہے۔

عمرو بن العاص: اگر لوگوں کو ان پر اعتراض ہو کہ وہ قدامت اسلام کے شرف سے محروم ہیں تو اس کے جواب میں آپ کے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے:

﴿مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا﴾ [۱۷/الاسرآ:۳۳]

''جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو' ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے۔''

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں

ابوموسیٰ اشعری:

''ابن العاص! اللہ سے ڈرو' اگر یہی شرف ہے اور استحقاق خلافت کے لیے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہیں تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطین یمن کی اولاد میں ابرہہ بن صباح ہوتا' جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کوئی

شرف نہیں ہے۔ خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے۔ پھر شرف میں علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا کیا مقابلہ؟ اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں کرتا۔ تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) قصاص عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ولی ہیں' تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لڑکے عمرو کو ہے۔ مہاجرین اولین کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر تم چاہو تو عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنا کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام زندہ کر دیں۔''

عمرو بن العاص: تو پھر میرے لڑکے عبداللہ میں کیا خرابی ہے۔ اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے' لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدار ہوگیا ہے' آؤ طیب بن طیب عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنا دیں۔

عمرو بن العاص: خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو ایک ڈاڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ اشعری: آپس میں خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے' اب ان کو دوبارہ اس فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاص: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابوموسیٰ اشعری: میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے انتخاب کا حق دیا جائے۔

عمرو بن العاص: مجھے اس سے اتفاق ہے' امت کی بھلائی اسی میں ہے۔ [1]

فیصلہ کا اعلان

اس قرارداد کے بعد دونوں حکم فیصلہ سنانے کے لیے دومۃ الجندل آئے۔ دونوں فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیئے تھے۔ یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ اس لیے ہزاروں مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمر' مغیرہ بن شعبہ اور سعد بن ابی

[1] اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطوال کے بیانات میں بعض جزوی اختلاف ہیں' ہم نے دونوں کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ جو اس جنگ میں غیر جانبدار تھے' فیصلہ سننے کے لیے آئے۔ بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس پر قائم نہ رہیں گے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں' تو اس کے اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا' بلکہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے اعلان کرائیے گا' وہ چالاک آدمی ہیں' مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) دھوکہ دے جائیں گے' لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی سادگی کی بنا پر سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے' فرمایا یہ نہیں ہوسکتا' ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں۔ [1] غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا۔ ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا' پہلے تم سناؤ' انہوں نے کہا آپ فضل ومنقبت میں مجھ سے افضل ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر یہ جادو چل گیا' چنانچہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہوکر فیصلہ کا اعلان کیا:

> ''امابعد! لوگو ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ اس امت کے اتفاق واتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کرلیں۔ اس لیے میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کرتا ہوں' آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ''۔

ان کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا

> ''امابعد! لوگو! ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں' لیکن میں اپنے آدمی معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو برقرار رکھتا ہوں' وہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں' اس لیے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ غداری ہے۔ اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس فیصلہ سے قدرۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۴۔

سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسانا شروع کر دیے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا۔ شامی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھے، وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے۔ اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے انہیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کر لیا۔ [1]

خوارج کی سرکشی

یہ فیصلہ ایسا نامنصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ابھی اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی سازش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی، لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، مگر پھر تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا۔ یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسی زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برح الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے، لیکن تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا تھا۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود اس کی مخالفت کی تھی، لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا۔ اب عہد نامہ لکھ چکا ہوں، اس کو نہیں توڑ سکتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ''جو عہد کرو اسے پورا کرو'' خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے، آخر میں انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم اللہ کے لیے آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔ [2]

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے، اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی مخالفت شروع کر دی۔ اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے اور حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان سے جہاد فرض ہے ان عقائد کی اشاعت کر کے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتدبہ جماعت اپنی ہم خیال بنا لی اور کوفہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہو گئے اور دوسرے شہروں کے خوارج کو اس کی اطلاع دے دی۔ مدائن کے والی سعید بن مسعود کو

---

[1] اخبار الطوال ص۔ ۲۱۴ و طبری۔ [2] اخبار الطوال ص۔ ۲۱۶ و ابن اثیر ج۔ ۳، ص ۱۳۔

ان کی نقل وحرکت کی اطلاع ہوگئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا۔ سعید کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کے بارہ میں امیر المؤمنین کا کوئی حکم نہیں۔ اس لیے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے۔ پہلے امیر المؤمنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے۔ اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔

نہروان میں اجتماع

کوفہ سے نکلنے سے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان میں اجتماع کی خبر دے دی تھی' چنانچہ بصرہ سے پانچ سو کی جماعت روانہ ہوئی۔ یہاں کے والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دؤلی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے تستر میں انہیں پکڑ لیا۔ لیکن رات ہو چکی تھی اس لیے خارجی نکل گئے اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ راستہ میں انہیں جو مسلمان ملتا تھا' اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ میں کیا رائے ہے۔ اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے ورنہ قتل کر دیتے۔ [1]

خوارج کو دعوت اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا:

> ''ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا' انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس لیے ہم نے اس فیصلے سے برأت ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آ گئے۔ (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے' تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

خوارج نے اس خط کا جواب دیا:

> ''تم کو اس فیصلہ پر اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کی خاطر برہمی ہے۔ اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑیں گے۔ اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا''۔ [2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۹۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۲۰۔

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا۔ آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجیں جمع ہو گئیں۔

لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی۔ جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے۔ چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو اسی جرم میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔ [1] ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، امیر المؤمنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لیے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرما رہے ہیں؟ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے۔ پہلے ان کی سرکوبی کیجیے اور انہیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچائیے، اس کے بعد شام کا قصد فرمائیے گا۔

اتمام حجت

خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی۔ جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ:

> ''تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ شاید اللہ تم کو راہ راست پر لے آئے''۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔ [2]

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابوایوب انصاری اور قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے، آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کی:

> ''اے وہ گروہ جسے محض اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے، تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ رب تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے سرپنچوں سے یہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۳، ص ۱۳۶۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۲۰۔

شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے' لیکن تم ہی نے اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جس کو قرآن نے ختم کیا ہے' لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب وسنت کی مخالفت کی۔ اس لیے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا۔ اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے''۔

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا:

''جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی' اس وقت کافر ہو گئے تھے۔ اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا' مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لیے بھیجو اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں گا اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے''۔ [1]

اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکواء کو گفتگو کے لیے بھیجا۔ دونوں میں مباحثہ ہوا لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے' اس لیے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا۔ تاہم آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا حکم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علی (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے' اس لیے لوٹ جانا چاہیے اور اس وقت تک حصہ نہ لینا چاہیے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کر لینے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں' چنانچہ وہ پانچ سو آدمیوں کو لے کر لوٹ گیا۔ ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی۔ ایک ہزار حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱' ۲۲۲۔

جنگ اور خوارج کی شکست

اس وقت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا' تا آنکہ خود خارجیوں نے لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کر دیا کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور خارجی علوی فوج کے میمنہ میسرہ پر ٹوٹ پڑے اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کر الگ ہو جاتے تھے' لیکن اس حالت میں بھی وہ لڑتے رہتے تھے۔ ایک خارجی شریح بن ابی اوفیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا' وہ اس حالت میں لڑتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری

خارجیوں کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے ابھارا کہ ''اللہ نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ میں کامیاب کیا ہے۔ اب یہیں سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ میں روانہ ہو جاؤ'' لیکن اس وقت ہمت پست ہو رہی تھی۔ اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا' امیر المؤمنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں تلواریں کند ہو گئی ہیں' نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں' اس لیے اس وقت گھر لوٹ چلیے تاکہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لیے اچھی طرح تیاری کر لیں' ان کے اس عذر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا۔ مقام نخیلہ میں فوج نے منزل کی' یہاں سے لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا شروع کیا اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے' یہ صورت دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ لوٹ آئے۔ [1]

مصر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ

عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیس بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے' مقرر کیا تھا۔ یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مصریوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے لی تھی۔ صرف ایک مقام خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہیں کی۔ قیس نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے آمادہ

[1] ابن اثیر ج ۳' ص ۱۳۹۔

ہیں' ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہیں کی لیکن خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا' یہ واقعہ جنگ جمل سے پہلے کا ہے۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ عرب کے نامور مدبر تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرح انہیں بھی ملانا چاہا' چنانچہ ان کو خط لکھا کہ ''تم بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو' اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لیے مخصوص رہے گی۔ حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا' جس کو چاہنا حاکم بنانا۔ اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پورا کرنے کے لیے تیار ہوں' اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو''۔

اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کشمکش کا آغاز تھا۔ ملک کی حالت مذبذب تھی۔ اس لیے قیس نے گول مول جواب دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے۔ انہوں نے لکھا کہ:

> ''تم نے ایسا جواب دیا ہے کہ اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے۔ میرے جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آ سکتا۔ میرے پاس کافی قوت ہے'' قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ
>
> ''مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے' تم مجھ کو ایک مستحق خلافت' حق گو' حق پرست سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے' گم کردہ راہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو' تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑ جائیں گے''۔

قیس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا۔ ان کی موجودگی میں مصر ان کے قبضہ میں نہیں آ سکتا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قیس رضی اللہ عنہ طمع اور خوف سے ان کے دام میں آنے والے نہیں تو مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس رضی اللہ عنہ ہمارے خاص آدمی ہیں اور شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو۔ وہ ہمارے ساتھ ہیں' خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے جاری ہیں۔ اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس رضی اللہ عنہ کا ایک فرضی

خط بھی سنا دیا' جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ شام کے علوی جاسوسوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیا۔ آپ کو اس کے یقین کرنے میں تامل ہوا' لیکن ان دونوں نوجوانوں نے قیس رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اصرار کیا' اسی دوران میں قیس رضی اللہ عنہ بن سعد کا ایک خط پہنچا اس میں انہوں نے اہل خربتا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی۔ اس سے گویا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کو قیس رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے قیس رضی اللہ عنہ کے نام اہل خربتا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھوا دیا۔ قیس رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا ......"آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں جو اب تک غیر جانبدار ہیں' جہاں ان کو چھیڑا گیا' وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجئے' ان سے تعرض نہ فرمایئے"۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر دونوں نوجوان غالب آ گئے تھے۔ محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو مصر بھجوا دیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو یہ فطرتاً ناگوار ہوا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ "امیر المومنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا نہیں' حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی' لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو عملی نہیں چل سکتی تھی۔ خصوصاً جبکہ ابن ابی بکر قیس رضی اللہ عنہ کی پالیسی کے خلاف تھے' اس لیے قیس رضی اللہ عنہ مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے۔ [1] محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بالکل ناتجربہ کار تھے' جوانی کا جوش تھا۔ پالیسی سے کام لینے کی بجائے خربتا والوں پر فوج کشی کر دی۔ یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو فاش شکست ہوئی۔ ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے' محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل نے اور لوگوں کو بھی مخالف بنا دیا اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے' علانیہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت شروع کر دی۔ اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لیے بھیجا لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی۔ انہوں نے لکھا تم فوراً آؤ' ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ تم کو ضرور کامیابی ہو گی۔ یہ جواب آنے کے بعد امیر

[1] یہ تمام حالات ابن اثیر ج۔ ۳' ص۔ ۱۰۷ و ۱۰۸ سے ماخوذ ہیں۔ [2] طبری ص ۳۳۹۱' ۳۳۹۲۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مشورہ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ یہاں کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہو چکے ہیں اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں' اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کر دیں گے۔ اس لیے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔ [1]

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ بڑے شجاع و بہادر تھے۔ بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا' جو دستہ آگے بڑھتا تھا اسے پسپا کر دیتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے۔ کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا' لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے۔ کنانہ رضی اللہ عنہ مصری فوج کے قوت بازو تھے۔ ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے' لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج نے ڈھونڈ نکالا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا۔ [2] اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہو گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی بنا دیا۔

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہؓ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے۔ ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر نگین تھا۔ اس لیے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا۔ اس کی تفصیل بیان کرنا محض تطویل ہے' مختصر حالات یہ ہیں:

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی۔

اسی سنہ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا۔ وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے

---

[1] طبری ص ۳۴۰۱۔ [2] ابن اثیر ج ۳' ص ۱۴۳۔

تعاقب میں روانہ کیا، مگر وہ جا چکے تھے۔ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لیے تیماء روانہ کیا، وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیّب بن نجیہ فزاری کو مقابلہ کے لیے بھیجا، تیماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ کچھ شامی بھاگ نکلے۔ مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی، لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔ اسی سنہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باجگزار اعراب پر تاخت کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حجر نے ان کے انیس آدمیوں کو قتل کیا اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے۔

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لیے ابھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے قثم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روکا۔ اس دوران میں شامی پہنچ گئے۔ لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا۔ قثم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے چکے تھے، وہاں سے ریان بن ضمرہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فوجیں لے کر مقابلہ کے لیے پہنچے لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے، اس سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا۔ میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ یہ تجویز معقول تھی، اس لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے قثم سے کہا، وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا، چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا۔ اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا۔ یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے۔ انہوں نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی۔ وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو نہایت سخت شکست دی۔ شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد

شبیب بھی پہنچ گئے۔ اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے۔ شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے۔ اسی سنہ میں زبیر بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبداللہ اشجعی کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں اور زبیر میں جنگ ہوئی' جعفر کام آئے۔

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے۔ انہوں نے اب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کی بیعت نہ کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا' لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لیے بھیجا۔ ان میں اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی' مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے۔ اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی۔ دومۃ الجندل والوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے۔ اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور لوٹ آئے۔

ابھی تک حجاز' جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا۔ ۴۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ وہ سیدھا مدینہ پہنچا۔ یہاں کے علوی والی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حرم نبوی کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے مدینہ میں داخل ہو کر تقریر کی کہ ''ہمارے شیخ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا' کہاں ہیں؟ اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو اللہ کی قسم یہاں ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ جب تک تم لوگ جابر بن عبداللہ کو میرے حوالے نہ کرو گے اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لیے بند ہیں۔ جابر نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور عرض کیا اگر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ انہوں نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا۔ ان کے ارشاد پر جابر نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کے خوف سے مکہ چھوڑ دیا۔ بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی۔ ان سے

بیعت لینے کے بعد یمن روانہ ہو گیا۔ یہاں کے علوی والی حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے یمن پہنچ کر عبدالمدان اور اس کے لڑکے اور عبیداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا۔ یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر اس وقت نجران میں تھا۔ علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔ جاریہ اور وہب بسر کی جماعت کے چند آدمیوں کو قتل کر کے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت لی اور چند دن مدینہ میں ٹھہر کر کوفہ واپس گئے [1]

فریقین میں مصالحت

اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

فتوحات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گزرا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لیے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی، اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا۔ تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کوہ کن پر حملہ ہوا۔ [2]

بغاوتوں کا استیصال

مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جابجا بغاوتیں بپا ہو گئی تھیں۔ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے۔ بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا۔ اس نے بغاوت فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

---

[1] یہ حالات طبری ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں۔ [2] فتوح البلدان بلاذری۔

۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔اس لیے اس جماعت کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بیکار ہے۔ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت میں مبتلا ہے۔بغیر انہیں ختم کیے ہوئے امن وسکون قائم نہیں ہوسکتا' چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو' برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کرلیا اور تینوں نے ایک ہی دن رمضان ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔اتفاق سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لیے آیا تھا۔ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اوچھا وار لگا۔اس لیے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے۔ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گزرگاہ پر چھپ رہے۔جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے حملہ کردیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاری زخم آیا۔آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے۔شبیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہوگیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے۔ [1] اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکا تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کردینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا۔ صرف میرا قاتل قتل کیا جائے۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں مرجاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ [2]

خنجر زہر آلود تھا' اس لیے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی اور حالت خراب ہونے لگی۔ حضرت امام حسن وحسین اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور باہم اتحاد واتفاق اور دین ودنیا میں خیروبرکت کی وصیتیں فرمائیں۔آپ کی زندگی سے مایوسی تھی اس لیے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسن (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔ [3]

---

[1] ابن سعد ج۔۳' ص۲۴۔ [2] طبری ص۔۳۴۶۱' ابن اثیر ج۔۳' ص۱۵۶۔ [3] طبری ص۳۴۶۱۔

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۱ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے غسل دیا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب و عالم تاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت بروایت صحیح تریسٹھ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے۔

ازواج و اولاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت حسن و حسین و محسن رضی اللہ عنہم تھے۔ محسن رضی اللہ عنہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اور صاحبزادیوں میں زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خولہ کے بطن سے محمد بن علی رضی اللہ عنہ تھے جو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں' جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی۔

عہد مرتضوی پر ایک نظر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا عہد خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا۔ ایک دن کے لیے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا' جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ ان حالات کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنہوں نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے۔ اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہو گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس وقت تخت خلافت پر قدم رکھا اس وقت سارا عرب پر آشوب ہو رہا تھا۔ بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے۔ بعضوں نے اسلام کے رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے۔ غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی۔

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا۔ عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح زندہ تھی۔ سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے متحد تھے۔ ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا۔ حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف رائے ہوتا تھا لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے۔ گو خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے' لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر و سیاست صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے چلتا تھا جنہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا۔ اس لیے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا۔ ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تحمل' آپ کی نرمی اور تواضع وانکساری لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت کا دبدبہ وشکوہ کسی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عربوں میں غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی۔ یعنی وہ قومیں جنہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا' مسلمان نہ ہوئی تھیں اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوئی تھی' اس نے مسلمانوں میں اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا کہ ان کے نظام شوریٰ میں دخیل ہو سکے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتحاد واتفاق اور صولت فاروقی کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی۔ اسلامی فوجوں میں غیر قوموں کا عنصر شامل نہ تھا۔ جدید الاسلام عربوں تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ میں متحد تھے' اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں رہتی تھی اس لیے کسی پہلو سے غیر قوموں کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہیں۔ اس لیے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ٹلنے لگیں۔ جس کے نتائج انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں قریب قریب سب ختم ہو گئیں۔ عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو خلافت کے رکن اعظم تھے' اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی' جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش وولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حالات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں تھے' آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بزرگوار تھے' ان کا دین وتقویٰ مسلم' لیکن ان میں بہت کم صاحب وتدبیر وسیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب تدبیر وسیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر

بیعت لیے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کیجیے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے' لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا' جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کو محض نو جوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نو جوان نسل' جدید الاسلام عرب اور نو مسلم عجمی بھی تھے' جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی' بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔ آپ میں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا' جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو طلب کرتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا' لیکن وہی معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے خلاف اٹھ کر انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی۔ جو رائے قائم کر لیتے تھے' پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے' جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان ہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی۔ اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے۔ یہی لوگ تھے' جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پرفریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر انہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔ ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے۔ گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے' لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمال ان عثمانی کی معزولی' خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی' لیکن آپ نے تخت نشین

ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ' دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اسے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔ ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی حق وصداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بے جانہ صرف ہونے دیتے تھے' دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی کامیابی کے لیے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اپنے حامیوں کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے۔

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داد و دہش مخالفین تک کا منہ بند کر دیتی تھی۔ ان تمام باتوں پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مرتدوں' منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے تھا' جن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا بچہ بچہ متحد تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تھا' خصوصاً ام المومنین رضی اللہ عنہا کا معاملہ نہایت نازک تھا' جس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم متردد ہو گئے تھے' گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی' پھر بھی وہ ایک معزز صحابی اور عرب کے نامور مدبر تھے اور غلط ہی سہی، لیکن عوام کو بھڑکانے کے لیے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظام خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ اس پر آشوب دور میں آپ نے بغاوتیں بھی فرو کیں اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا۔

نظام خلافت کی اصلاح

ان سب سے بڑھ کر نظام خلافت کی اصلاح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی۔ گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا' تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا' آپ نے دوبارہ شیخین رضی اللہ عنہما کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں' انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم و نسق کو علیٰ حالہ قائم رکھا' اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی۔ نجران کے یہودیوں نے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا

عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہو سکتا ہے [1] صوبوں کی تقسیم وہی رہی البتہ عمال سب بدل دیئے تھے اور دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔

فوج

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے‘ اس لیے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی۔ صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی‘ گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقعہ نہ ملا‘ تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے‘ اصطخر کا حصین زیادہ آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ [2]

صیغہ مال

آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا۔ آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا۔ چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ [3] اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے۔ بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا دیا۔ عہد رسالت میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے‘ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر بھی زکوۃ مقرر کر دی‘ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ [4]

عمال کی اخلاقی نگرانی

عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ وقتاً فوقتاً ان کو قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے۔ ان کے طرز حکومت کی تحقیقات کراتے تھے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے۔

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے ہیں اور فرائض منصبی میں غفلت برتتے ہیں‘ انہیں لکھا:

> ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو‘ اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا۔ تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے

[1] کتاب الخراج‘ قاضی ابو یوسف۔ [2] طبری ص ۳۴۵۰۔
[3] کتاب الخراج ص ۶۹۔ [4] کتاب الخراج ص ۶۹۔

بہتر ہے' چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا''۔ ❶

ایک اور عامل کے متعلق مختلف شکایتیں وصول ہوئیں۔ اسے بڑا طویل خط لکھا' جس کا ضروری اقتباس یہ ہے:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو' تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے' اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا۔ تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر اللہ سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو' گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اللہ کے حقوق ادا کرو''۔ ❷

تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے تھے' چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی:

''تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر نظر ڈالو''۔ ❸

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے۔ مقررہ وقت سے اگر زیادہ تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری کرتے۔ ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:

''تم نے خراج کے بھیجنے میں تاخیر کی۔ اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں ہوا' لیکن میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے' اللہ سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ مسلمانوں کو معزز کرو' لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو۔ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو''۔ ❹

---

❶ یعقوبی ج ۲' ص ۲۴۰۔ ❷ یعقوبی ج ۲' ص ۲۳۸۔ ❸ کتاب الخراج ص ۹۔ ❹ یعقوبی ج ۲' ص ۲۳۷۔

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیئے تھے' لکھا:

''جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ' اس سے زیادہ بدبختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے۔ اللہ کا خوف کرو' تم صالح خاندان سے ہو' اس لیے خوش گمانی کا موقع دو۔ مجھ کو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو' خراج ادا کردو''۔ [1]

بیت المال کی حفاظت

بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی طرح اہتمام تھا۔ اوپر جو واقعات لکھے گئے' وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لیے لکھا۔ انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فہمائش کرا کے واپس کرا دیا' اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں۔ [2] اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اصفہان کا خراج لائے۔ اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مانگ بھیجا۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیج دی۔ دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے سختی کے ساتھ پوچھا' انہوں نے بتا دیا۔ آپ نے اسی وقت دونوں پیپے منگا لیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا' اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کردی۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران تھے۔ انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا؟ میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کردوں گا۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو' جب فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی' جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔ ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔ [4]

---

[1] یعقوبی ج۔۲' ص۲۳۷۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص۲۴۲۔

[3] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۶۰۔ [4] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۵۹۔

ذمیوں کے ساتھ نرمی

ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے۔ ذمیوں کے ایک عامل عمرو بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، جس کی درشت مزاجی کی شکایت تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا:

> ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہئے، لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نرمی نقصان کی حد تک۔ ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو، لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو''۔ [1]

ذمیوں کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی۔ اس کے عامل قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

> ''تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے، تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کرا دو۔ میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں، یا عاجز و درماندہ ہو جائیں، یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں''۔ [2]

اہل عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

عدل و مساوات

آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت، خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے۔ اگر خود آپ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے۔ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا یہ تو انبیا کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی

---

[1] یعقوبی ج ۲، ص ۲۳۹۔ [2] یعقوبی ج ۲، ص ۲۴۰۔

کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ ❶

بازار کی نگرانی

بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسن معاملات اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔ ❷

فضل و کمال

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن سے دامن نبوت میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی۔ جوانی میں شرف مصاہرت سے سرفراز ہوئے اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک دامن دولت سے وابستہ رہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ میں تحصیل علم و کسب کمال کی فطری صلاحیت اور اس کا ذوق تھا۔ اس لیے مکتب نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آیا۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم کا دریا تھے۔ آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے کان من العلوم بالمحل العالی ❸ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو خود حبر الامۃ تھے، فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو نو حصے عطا فرمائے تھے اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے۔ ❹ زبان نبوت سے آپ کو "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" کی سند ملی۔ ❺

کلام الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا۔ اس کے حافظ تھے اور اس کی تعلیم آپ نے زبان وحی و الہام سے حاصل کی تھی۔ کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں، کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ ❻

فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے معمور ہیں جنہیں نقل کرنے کا یہ موقع نہیں۔ تفسیر میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ ❼ ابن ندیم نے فہرست میں اس ترتیب کی تفصیل دی ہے۔ ❽

---

❶ ابن اثیر ج ۳، ص ۱۶۰۔ ❷ ابن سعد ج ۳، ص ۱۸۔ ❸ تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۵۔

❹ تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۶۔ ❺ یہ روایت صحاح کی ہے گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہیں۔

❻ ابن سعد ج ۲، ق ۲، ص ۱۰۱۔ ❼ ابن سعد ج ۳، ق ۲، ص ۱۰۱۔ ❽ فہرست ابن ندیم۔

آپ کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ گونا گوں خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ پھر وصال نبوی ﷺ کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم وارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے اس لیے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہایت ممتاز تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔ گو کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات کے مقابلہ میں یہ تعداد کم ہے' لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے۔ آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن بزرگوں نے احادیث نبوی قلمبند کیں' ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام صحیفہ تھا۔ [1]

کلام اللہ اور احادیث نبوی ﷺ میں وسعت علم کے ساتھ آپ میں اسی درجہ کی ذہانت' طباعی' دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی۔ آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ اس لیے فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل میں آپ کے فتویٰ اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہیں۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ غرض آپ کی ذات فقہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مرجع تھی۔ فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کے فتویٰ پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے' آپ کے فیض یافتہ تھے۔

فقہی کمال کا ایک اور پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے۔ اس میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو ''اقضاهم علي'' (صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں) کی سند عطا فرمائی تھی اور قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے' چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق اصول تلقین فرمائے۔ [3]

فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علما میں تھے۔

شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اہم مقدمات میں آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا۔ آپ کی اصابت

---

[1] بخاری کتاب العلم۔ [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۴۶۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹۔

رائے سے قضا میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روک دیا کہ مجنون حد شرعی سے مستثنیٰ ہے۔ [1] مختلف قسم کے مقدمات میں آپ کے فیصلے کتابوں میں محفوظ ہیں، جن سے آپ کی ذہانت طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تصوف کا سر چشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں، گو محدثین کے نزدیک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقا ثابت نہیں ہے، لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو قاطبۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسبت ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے"۔ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> "صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیض پایا تھا۔" [2] خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا، پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔" [3]

آپ فصحائے عرب میں تھے، آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ شریف رضی نے نہج البلاغت کے نام سے آپ کے خطبات جمع کیے ہیں، گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب صحیح نہیں ہے، تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں۔ ان کے علاوہ طبری، اخبار الطّوال، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں، جو عربی ادب کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین لکھتے تھے، ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا دلکش نمونہ ہیں۔

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ ایک پورا دیوان آپ کی جانب منسوب ہے جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے، لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹۔ [2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۸ و ۳۱۔ [2] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۴۔

شاعری سے ذوق تھا۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہیں، چنانچہ معرکہ خیبر کا رجز بخاری میں ہے۔ (1) مستدرک نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ (2) ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔ (3) فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔ سب سے اول اپنے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالاسود دؤلی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کسی عجمی کو کلام مجید غلط پڑھتے سنا تو اس کی تصحیح کے لیے نحو کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔ (4) غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

سیرۃ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سلیم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش میں تربیت پائی تھی، اس لیے آپ کی ذات خلق نبوی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر تھی۔

زہد

آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں زہد و تقویٰ ہے۔ آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا۔ زہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے۔ جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (5)

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گزرے، لیکن کسی دور میں مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی۔ ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان میسر آ گئے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی، لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ (6)

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ (7) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں، اس پر تاعمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آپ کے ساز و سامان میں ایک مینڈھے

---

(1) بخاری غزوۂ خیبر۔ (2) مستدرک حاکم ج۔۳، ص ۱۶۳۔ (3) کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۴۔
(4) فہرست ابن ندیم ص ۶۰۔ (5) نووی ج۔۱، ص ۳۴۶۔ (6) مسند احمد بن حنبل ج۔۱، ص ۱۲۵۔
(7) تہذیب الاسماء ص ۳۴۶۔

کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی۔ (1) اور اوڑھنے کے لیے ایک مختصری چادر تھی کہ اگر سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا تھا اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔ (2) کوئی ملازم نہ تھا' گھر کا سارا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ ایک مرتبہ کئی فاقوں کی نوبت آ گئی۔ بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ (3) ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا' اپنی تلوار بیچ کر خورد ونوش کا سامان کیا۔ (4)

عبادت وریاضت

عبادت وریاضت آپ کا مشغلہ تھا۔ زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ (5) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ (6) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ [۴۸/ الفتح: ۲۹] الآیتہ میں ﴿رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (7) آپ کی عبادت وریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا۔ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود پرعسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی۔ آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا۔ قوت لایموت تک سائلوں کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے۔ کلام اللہ کی یہ آیت ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [۷۶/ الدھر: ۸] اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ (8)

امانت ودیانت

آپ امین امت تھے' جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے' اس کے بعض واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے' لیکن اپنے حق

---

(1) کنز العمال ج ۶' ص ۴۰۹۔ (2) ازالۃ الخفاء تذکرہ علی رضی اللہ عنہ۔ (3) مسند احمد بن حنبل ج ۱' ص ۱۲۵۔
(4) کنز العمال ص ۴۰۹۔ (5) مستدرک ج ۳' ص ۱۰۸۔ (6) ترمذی کتاب المناقب علی رضی اللہ عنہ۔
(7) تفسیر فتح البیان ج ۹ ص ۴۸۔ (8) ابن جریر تفسیر آیت مذکور۔

سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں' فرمایا میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا۔ [1] آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لیے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لیے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے' لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس لیے میں نے آپ کے لیے ایک چیز چھپالی ہے۔ فرمایا وہ کیا؟ قنبر نے عرض کیا چل کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ نے جا کر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے۔ انہیں دیکھ کر فرمایا' تیری ماں تجھ کو روئے' تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ [2] اس قبیل کے بہت سے واقعات ہیں۔

شجاعت

شجاعت وشہامت آپ کا خاص وصف تھا' غزوات میں آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے۔ اس لیے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

سادگی

آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ جاہ وحشم کا کیا ذکر' تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا۔ اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ زمانہ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے' بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے' کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے اور تاجروں اور دکانداروں کو یہ آیت ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ [۲۸/القصص:۸۳] سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل' متواضع اور صاحب قدرت والوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ [3]

لباس وغذا

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۵۹۔ [2] کنز العمال ج۔۶' ص۴۹۔ [3] کنز العمال ج۔۶' ص۴۹۔

غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن زریر نامی ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا۔ ابن زریر نے عرض کیا امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالیوں کا حق ہے۔ ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل و عیال کو کھلائے اور باقی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے پیش کرے۔ [1] نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ فرمایا کتنا خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے' لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا' جس کا وہ عادی نہیں ہے۔ [2]

سیرۃ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ایک جامع تبصرہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کیے تھے' جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ ''وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے' فیصلہ کن بات کہتے تھے' عادلانہ فیصلہ کرتے تھے' ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے۔ رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے۔ عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے۔ ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے' باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے' لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے' ستارے جھلملا رہے ہیں' وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں۔ ''اے دنیا! کسی اور کو فریب دے تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے؟ میری مشتاق ہے؟ افسوس! افسوس! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں' تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے' ہائے ہائے سفر طویل' راستہ وحشت ناک اور زاد سفر تھوڑا ہے۔'' [3] یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہا اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے' واللہ! وہ ایسے ہی تھے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱' ص ۷۸۔ [2] کنز العمال ص ۶۱۰۔

[3] روضۃ النظرہ ج ۲' ص ۲۱۲۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

(۴۰ھ تا ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۲ء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔

ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ

حسن نام' ابو محمد کنیت' ریحانۃ النبی لقب' حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان میں بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے خاص انس و تعلق تھا اور ان کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ صورتاً نانا سے بہت مشابہ تھے۔ آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں زخمی ہوئے' جنگ جمل و صفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔

خلافت

اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارہ میں پوچھا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ "میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں' تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو" گو آپ نے جمہور مسلمانوں کے حق انتخاب کا لحاظ کر کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نامزد نہیں فرمایا اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا' لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلف الصدق تھے۔ اس لیے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔ [1] قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد تمام

[1] طبری ج۔ ۷' ص ۲۔

اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

پہلی تقریر

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا:

''لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے۔ وہ کسی جنگ میں ناکام نہ لوٹا۔ میکائیل و جبرائیل علیہما السلام چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے' سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کیے تھے''۔ [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جارحانہ اقدام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی۔ اس لیے انہوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو' متحمل مزاج' صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ تھا' اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا' چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں عین التمر سے ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔ [2]

مقابلہ کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا' فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے

[1] ابن سعد ج۔۳' ق ا ترجمہ علی رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۳۳۔

لیے آمادہ ہو گئے۔ [1]

دنیوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلوتہی کا اندازہ ہوا' اس لیے آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

''لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا' اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں' جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو' وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے' جسے تم چاہتے ہو' میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اس لیے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا''۔

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ اس نے کہا حسن (رضی اللہ عنہ) بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کا مصلیٰ اور کپڑے چھین لیے۔ ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے دوڑ کر خارجیوں کو ہٹا دیا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا' لپک کر حملہ کر دیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا' خارجی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہاں ہی مقیم رہے۔

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ فوج کے مقابلہ کے لیے جو عبداللہ بن عامر کی ماتحتی میں مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی' نکلے۔ اس میدان میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فوجیں لے کر انبار پہنچ گئے تھے۔ یہاں قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ پہلے ہی موجود تھے۔ اب گویا دو مورچے الگ الگ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں۔ گو تاریخوں میں اس کی تصریح نہیں لیکن واقعات و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مخفی اثر کام کر رہا تھا اور اس کا ایک حصہ ان کے فسوں کا شکار ہو چکا تھا' چنانچہ جب شامیوں کے مقابلہ کا موقع آیا عراقیوں نے غداری کا ثبوت دیا۔ ایک واقعہ اوپر گزر چکا ہے' دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے تو اس نے عراقی فوج میں اعلان کر دیا کہ میں جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میری حیثیت تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور

---

[1] طبری ج ۷' ص ۹۔

وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں۔ ابو محمد (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ اللہ کے لیے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں۔

یہ پیام سن کر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے۔ آپ کے واپس آنے کے بعد عبیداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کر لیا۔ ❶

مصالحت اور دست برداری

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج تھی' اس نے ہر موقع پر غداری کی' لیکن قیس بن سعد رضی اللہ عنہ' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جمے ہوئے تھے اور ان کے ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لیے تیار' ابوعریق کا بیان ہے کہ شامیوں کے لیے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا' جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔ ❷ آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ ❸ خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے' جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے ❹ لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا' آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی تھیں۔ ملک کا امن و امان اٹھ گیا تھا۔ اس لیے چند شرائط پر آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے لیے آمادہ ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیج دیں۔

شرائط صلح

مختلف تاریخوں میں شرائط کی دفعات وتفصیلات میں اختلاف ہے۔ دینوری کا بیان اس باب میں زیادہ مستند ہے اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھیں:

---

❶ یہ واقعات اخبار الطوال میں ص ۲۳۰ و ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں۔

❷ استیعاب ج ۱' ص ۱۴۳ ومستدرک حاکم ج ۳ ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ۔

❸ ابن عساکر ج ۲' ص ۲۱۹۔

❹ مستدرک حاکم ج ۳' ص ۱۷۰۔

① کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔
② بلا استثنا سب کو امان دی جائے۔
③ اہل عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے۔
④ دارابجرہ کا پورا اخراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔
⑤ امام حسین رضی اللہ عنہ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائیں۔
⑥ وظائف میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر کر کے اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبیداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ [1] طبری نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تین شرطیں پیش کیں:

① کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دے دیا جائے گا۔
② دارابجرہ کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔
③ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس طرح برسرعام سب و شتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں۔ [2]

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرطیں لکھ کر بھیجی تھیں ان کے پہنچنے سے قبل ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں چاہیں لکھ دیں سب منظور کی جائیں گی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطوں کی دوگنی شرطیں لکھ بھیجیں لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نہیں مانا اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی' لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے۔ تمام مؤرخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے' بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے۔ بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ ''امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے'' لیکن یہ محض گھڑی ہوئی ہے۔ طبری' یعقوبی' مسعودی' ابن اثیر' کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ روایت محض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زہر خورانی کے واقعہ کو جس کی تفصیل آئندہ آئے گی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر تھوپنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۱۔ [2] طبری ج ۷ ص ۴۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا اور زہر کے اثر سے ہوا تھا۔ اگر یہ شرط مان لی جائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب قرین قیاس ہو جاتی ہے' لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آئندہ کسی موقعہ پر جو بارہا پیش آئے' کسی کی زبان سے سنی جاتی' لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے' یا قیصرو کسریٰ کی سنت ہے لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ اس لیے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہیے۔ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں' لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی' بہر حال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں۔

شرائط کی زبانی تصدیق

شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تھے' صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اب صرف دو صورتیں ہیں' یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ فوج بڑی سرفروش تھی' لیکن اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا اور جنگ روک کر قیس رضی اللہ عنہ مدائن چلے آئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ واپس ہو گئے۔ آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی۔ [1]

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان

مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دست راست حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو مشورہ دیا کہ حسن رضی اللہ عنہ سے مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان کرا دو تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہیں اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے انہیں یہ پسند نہیں تھا' مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مجبور ہو کر انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دست برداری کے

---

[1] اخبار الطوال ص۔ ۲۳۱' ۲۳۲۔

اعلان کی درخواست کی' آپ کو کیا عذر ہو سکتا تھا' آپ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

''امابعد! لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی' دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے۔ یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں' دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے اس سے دست بردار ہوتا ہوں پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ خلافت تمہارے لیے چندروزہ سرمایہ ہے۔''

یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا' تمہارا مقصد حاصل ہو گیا' تم یہی سنوانا چاہتے تھے۔ [1]

مدینہ کا قیام

اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول ﷺ لوٹ گئے اور تا عمر اپنے جدامجد کے جوار میں بسر کر دی۔ آپ کی مدت خلافت چھ مہینے سے لے کر سات مہینہ تک ہے۔ آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے لیکن دستبرداری کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے' اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ ماہ بنتی ہے۔

قیس بن سعد اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں مصالحت

قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مخالف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرجوش حامیوں میں تھے۔ یہ عرب کے نامور مدبر تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش میں تھے' مگر کامیاب نہ ہوئے' جب تک قیس مصر کے حاکم رہے اس وقت تک وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زور نہ چل سکا۔ ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس کی تفصیل اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد قیس اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے وفادار رہے۔ عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے' لیکن ان کی امارت کسی

[1] استیعاب واسد الغابہ ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ۔

طرح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ایک جماعت بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے ان کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی اور وہ ہر قیمت پر ان سے صلح کے خواہش مند تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا بھی کہ قیس سے مصالحت کی کوشش نہ کرو' بزور قوت ان کو مطیع بناؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں۔ جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا' اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا۔ آخر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں' سب منظور کیے جائیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دستبردار ہو ہی چکے تھے' قیس بے سہارا کب تک لڑتے' اس لیے آخر میں انہوں نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی تمام شرطیں منظور کر لیں اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا۔ [1]

مصالحت کے اثرات ونتائج

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتائج ملک و ملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آ رہا تھا' بند ہو گیا۔ ملک میں امن و سکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی' وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس لیے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتفاق و اتحاد کا سال کہتے ہیں۔ لیکن شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آپ کو مذل المؤمنین "مسلمانوں کو رسوا کرنے والے" مسود وجوہ المؤمنین "مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے" عار المسلمین "ننگ مسلمین" کے القابات سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

وفات

دستبرداری کے ۹ سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے دیا گیا تھا' لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم نے سیرۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم کے چھٹے حصہ میں مفصل بحث کی ہے' لیکن اتنا صحیح ہے کہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۶۳۔

آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی۔ زہر نہایت قاتل تھا' اس لیے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا' فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔ فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اجازت مانگ بھیجی۔ آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا' ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو' اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنا' مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے' اگر یہ صورت پیش آئے تو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔ [1] زہر کھانے کے تیسرے دن باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

جنازہ پر جھگڑا

وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی۔ آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی' لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا ''حسن کسی طرح روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن نہیں کیے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسن رضی اللہ عنہ کو دفن کرنا چاہتے ہیں' یہ نہیں ہو سکتا''۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور چلائے کہ ''یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے''۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس یاددہانی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و مسالمت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو اس کی ماں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ [2]

---

[1] استیعاب ج۔۱' ص۔۱۴۵ و مروج الذہب ج۔۳' ص ۸۰۔

[2] استیعاب واسد الغابہ ترجمہ حسن بن علی۔

ماتم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہو گئے‘ گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فریاد و فغان کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ ”لوگو! آج خوب رو لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔“ [1]

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی۔ ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدہام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی۔ [2]

حلیہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے۔

ازواج و اولاد

آپ نے بکثرت شادیاں کیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے‘ لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالہ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں۔ ان سے آٹھ لڑکے تھے: حسن‘ زید‘ عمر‘ ابوبکر‘ قاسم‘ عبدالرحمٰن‘ طلحہ‘ عبیداللہ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ

دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام‘ فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں۔ اس معیار کو ذرا اور اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ کوئی معیار نہیں‘ لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا۔ آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی نہ ممالک فتح کیے‘ نہ فوج و خزانہ جمع کیا‘ بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر‘ مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ حکومت کے بقا و تحفظ اور اس کی توسیع کے لیے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج۔۲‘ ص ۳۰۱۔ [2] تہذیب الکمال ص ۸۹۔

ہوتی ہے۔ اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لیے تخت حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہوا خواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے خلاف تھا' چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' خدارا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے۔ آپ نے فرمایا تم خاموش رہو' میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ [1]

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا۔ عرب کے نامور مدبر قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ آپ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے اور آخر تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ [2] بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا۔ [3]

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونی تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی۔ ملک میں بدامنی بپا تھی۔ آپ نے دیکھا کہ تخت حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی۔ یہ سودا آپ کے لیے بہت گراں تھا۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا' اس لیے امت کی بھلائی کے لیے آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا۔

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ "میں نے ایک رائے قائم کی ہے۔ امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے۔ ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے' خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں' عزیز کو عزیز کا پاس نہیں' قطع رحم کی گرم بازاری ہے' راستے خطرناک ہو رہے ہیں' سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں' اس لیے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں۔" [4]

ایک موقع پر جب کہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا' آپ نے فرمایا

[1] ابن اثیر ج ۳' ص ۱۶۱۔ [2] ابن عساکر ج ۴' ص ۲۱۹۔
[3] مستدرک ج ۳' ص ۱۷۰۔ [4] ابن عساکر ج ۴' ص ۲۲۱' ۲۲۲۔

’’عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے' جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے' لیکن میں نے خالصتاً اللہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لیے خلافت چھوڑ دی'' [1] جو لوگ اس دست برداری کے خلاف تھے' وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے۔ مذل المؤمنین یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والے' آپ کا لقب ہو گیا تھا۔ آپ جواب میں فرماتے ''میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا' البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی''۔ [2]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز' یمن' عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی نکلے' جب دونوں کا سامنا ہوا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کام نہ آ جائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے' اس لیے چند شرائط پر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے' اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں بلکہ شروع سے آپ نے قصد کر لیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنا گزارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ [4]

فضل وکمال

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے اور اسی گہوارہ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ اس لیے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا۔

حدیث میں آپ کی روایات کی تعداد کل تیرہ ہے' جن میں سے اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ آپ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے' فقہ میں آپ کو اتنا درک تھا کہ مدینہ کی صاحب علم وافتا جماعت کے ایک رکن تھے [5] خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا۔ آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات' متانت' سنجیدگی اور پندو

---

[1] مستدرک حاکم ج۔۳' ص۱۷۰۔ [2] استیعاب ومستدرک' تذکرہ حسن رضی اللہ عنہ۔

[3] تہذیب الاسماء ج۔۱' ص۱۵۹۔ [4] طبری ج۔۷' ص۱۔ [5] اعلام الموقعین ج۔۱' ص۱۲۔

موعظت کی کتاب ہوتے تھے' جس کے بعض نمونے اوپر گزر چکے ہیں۔ شاعری سے ذوق تھا۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فضائل اخلاق

مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول ﷺ کا نمونہ تھے۔

استغنا و بے نیازی

آپ کے فضائل اخلاق میں استغنا و بے نیازی سرفہرست ہے۔ خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغنا و بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثال ہے۔

حلم

آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے۔ آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق ''رَغِمَ اَنْفُهٗ'' (اس کی ناک خاک آلود ہو) سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ [1] دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے رو در رو مسلمانوں کے رسوا کرنے والے اور ننگ مسلمین کہتے تھے۔ آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا' البتہ حکومت کے لیے ان کی خون ریزی پسند نہیں کی۔

مروان بر سر عام منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سن کر پی جاتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ [2] ایک مرتبہ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی' مروان نے آپ کی شان میں نہایت درشت کلمات استعمال کیے۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے۔ [3] آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا' اب روتے ہو؟ ان کی زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا؟ مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا' میں نے جو کچھ کیا' اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا۔ [4]

عبادت

اللہ کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے۔ اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے۔ ''فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک

---

[1] یعقوبی ج ۲' ص ۲۶۹۔ [2] تاریخ الخفاء ص ۱۸۹۔
[3] تاریخ الخلفاء ص ۱۸۹۔ [4] ابن عساکر ج ۴' ص ۲۱۶۔

مصلیٰ پر رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کو جاتے ہیں اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آ جاتے ہیں۔" ❶ سواریوں کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے' متعدد حج پاپیادہ کیے' فرماتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں۔ ❷

اصلاح عقائد

دین کی بنیاد عقائد کی صحت پر ہے۔ اسی زمانہ سے اہل بیت کی غلط محبت کے دعویداروں نے اہل بیت کے نام سے مذہب میں خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے۔ شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے' اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا کہ علی رضی اللہ عنہ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے۔ ❸

فیاضی وسیر چشمی

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا۔ آپ بھی اپنی دولت اللہ کی راہ میں بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے۔ عمر میں تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا اور تنصیف میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی دے دیا۔ ❹

آپ کے دوست و دشمن دونوں آپ کی فیاضی سے یکساں متمتع ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک دشمن کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی' اس نے اہل مدینہ سے سوال کیا۔ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا پتہ دیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں۔ ❺ اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔

اہل حاجت کی حاجت برآری

❶ ابن عساکر ج ۴' ص ۲۰۶۔ ❷ تہذیب الاسماء ج ۱' ص ۱۵۸۔

❸ طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؒ۔ ❹ اسد الغابہ ج ۲' ص ۱۳۔ ❺ ابن عساکر ج ۴' ص ۲۱۴۔

حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے۔ ایک حاجت مند آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی اور فرمایا میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ [1]

[1] ابن عساکر ج ۴، ص ۲۱۴۔